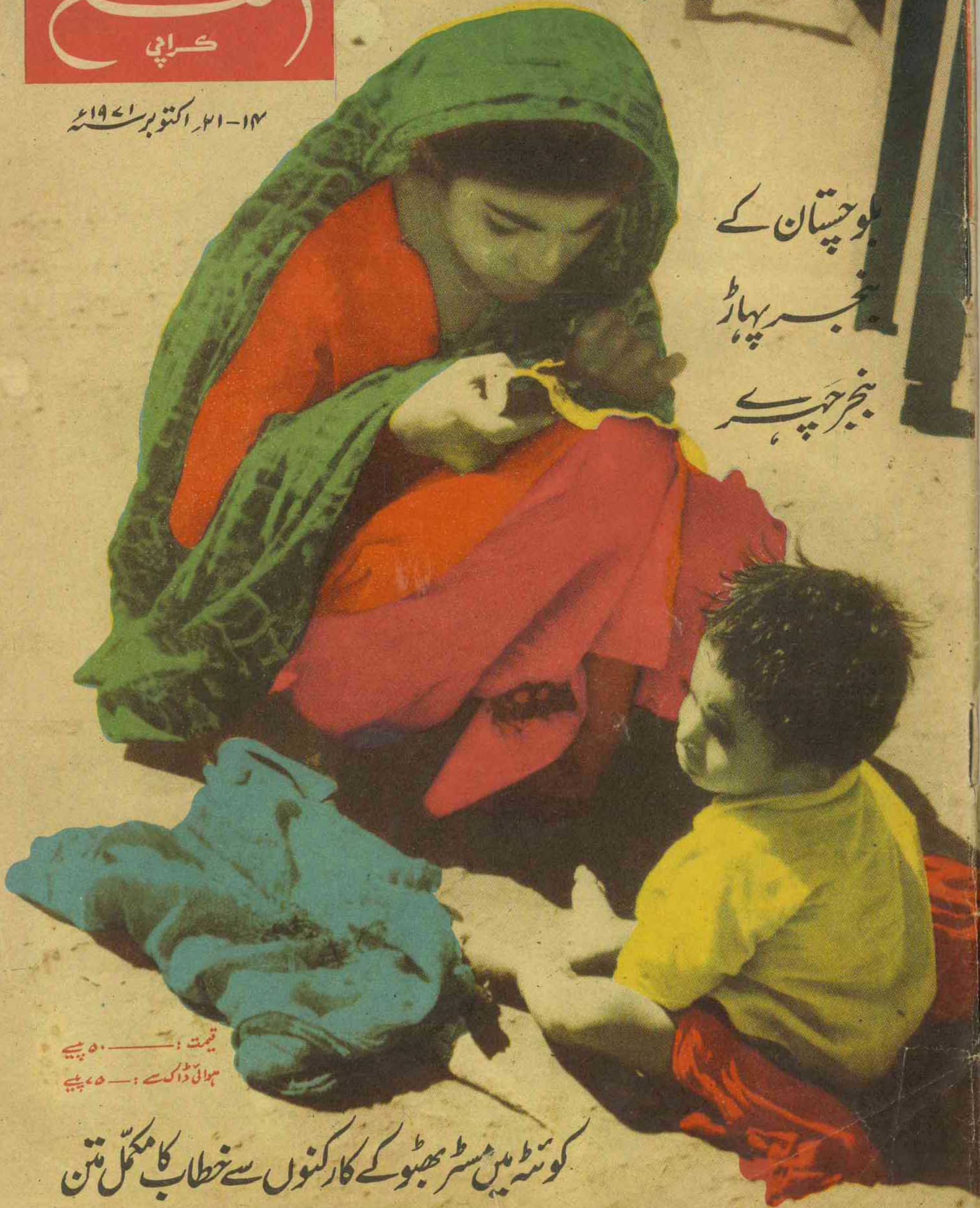
ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۱۴-۲۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء

ہشت نگر تحریک منزل بہ منزل



بلوچستان کے بنجر پہاڑ بنجر چہرے

قیمت : ـــــ ۵۰ پیسے
ہوائی ڈاک سے : ـــ ۵، پیسے

کوئٹہ میں مسٹر بھٹو کے کارکنوں سے خطاب کا مکمّل متن

مشرق کو بیدار کروں گا

حزیں لدھیانوی

میرے پہاڑوں کی رفعت پر جب تک گہری دھند رہے گی
روئی کے گالوں کی طرح سے جب تک خونی برف گرے گی
پتے، پھول، درخت اور طائر تیز ہوا کی زد میں ہوں گے
اور میدانوں، صحراؤں میں موت کی دیوی رقص کرے گی
اپنا تن من آپ جلا کر لوگوں کو گرماؤں گا میں
برف کے اونچے اونچے سارے تودوں کو پگھلاؤں گا میں

میرے مہکتے گلزاروں پر جب تک راج خزاں کا ہوگا
پتہ پتہ سُلگتا ہوگا، بوٹا بوٹا جلتا ہوگا
بلبل کے نغموں پر جب تک پابندی کی مہریں ہوں گی
جب تک صیادوں کا یارو جال گلوں پر پھیلا ہوگا
ہاتھ قلم کرواؤں گا اور اپنی زباں کٹواؤں گا میں
لیکن موسمِ گل کے نغمے گلشن گلشن گاؤں گا میں

پیاری پیاری، اجلی اُجلی دھرتی سنولائے گی جب تک
اہلِ ہوس کے جور و ستم کی اس پہ گھٹا چھائیگی جب تک
جب تک خونی اور لٹیرے چھپ چھپ کر شبخوں ماریں گے
مظلوموں کے خون کی سُرخی اِس پہ نظر آتے گی جب تک
ظالم سے ٹکراؤں گا، مظلوموں کے کام آؤں گا میں
اپنے پاک وطن کی خاطر ہر سختی سہہ جاؤں گا میں

ظلمت سے لبریز گھروں میں جب تک غم کے شعلے ہوں گے
میرا فن اور میرے نغمے اہل وفا کے کام آئیں گے
قریہ قریہ بستی بستی جب تک زیست پہ پہرے ہوں گے
ہاں میری بیباک زباں پر اہلِ ستم کے نام آئیں گے
قریہ قریہ، بستی بستی جادو نیا جگاؤں گا میں
مشرق کو بیدار کروں گا، سامراج پہ چھاؤں گا میں

الفتح

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد: — ۲ شمارہ — ۲۲

۱۴ — ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونین خصوصی

ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالمجید چھاپرا

مجلس ادارت

وہاب صدیقی - نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر

غلام نبی بزمی

عکاس :— الطاف رانا

بدل اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت :- ۶۰ فلس دوبئی، قطر: ۷۵ درہم
سعودی عرب :- ۱۵ قرش۔ انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقام اشاعت

ہفت روزہ الفتح ۸۸ ڈی، عرسری کمرشل ایریا
بی، ای - سی - ایچ - ایس کراچی - ۲۹

ایڈیٹر پبلشر، ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد - کراچی

اداریہ

خبردار خطرہ

جماعت اسلامی نے مشرقی پاکستان میں "البدر" نامی مسلح تنظیم کے تجربہ کے بعد مغربی پاکستان میں بھی نوجوانوں پر مشتمل اسی قسم کی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا ہے۔ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اپنی برانچوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ہر گلی، محلے، شہر اور دیہات میں نوجوانوں کو منظم کرے اور اُن کی مسلح تربیت کا انتظام کرے۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو اخبارات میں جماعت اسلامی کے اس منصوبے کی اشاعت سے عوام دوست طاقتوں کو ہرگز حیرانی نہیں ہوئی۔ "الفتح" ایک سال سے زائد عرصہ ہوا، پہلے ہی یہ انکشاف کر چکا ہے کہ جماعت اسلامی خفیہ طور پر مسلح سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ وہ اپنے کردار کے لحاظ سے ایک فسطائی تنظیم ہے اور اس کا تمامتر کاروبار دہشت پسندی اور غنڈہ گردی کے سہارے چلتا ہے۔ وہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی نہ صرف معتمد ہے۔ بلکہ ان طاقتوں کا سیاسی محاذ ہے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی تعداد کسی بھی سرمایہ دار معاشرے میں گنتی کے افراد سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن وہ اس قسم کے ایجنٹوں اور کاسہ لیسوں کے ذریعے حکمرانی کرتے چلے آتے ہیں۔

عوام کے بڑھتے ہوئے شعور، حقوق کے لئے مثالی جدوجہد اور ایثار نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ مظلوم کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے جماعت اسلامی جیسی تنظیموں کو مسلح کریں اور ملک میں دہشت، بربریت اور قتل و غارت کے ذریعے اپنے اقتدار کو بچائیں۔ یہ شائد آخری کوشش ہے۔ انتخابات سے قبل جو ہتھکنڈے معرکۂ کفر و اسلام کے نام پر استعمال کئے گئے، اُن کی ناکامی کے بعد ملک کی سالمیت کو بھینٹ پر چڑھانے والوں میں یہی طبقات پیش پیش ہیں۔ مشرقی پاکستان کا المیہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ اور آئندہ کا مورخ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

مشرقی پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں بشمول تینوں مسلم لیگیں اس امر کا اظہار کر چکی ہیں کہ جماعت اسلامی کے رضاکار اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنے میں مصروف ہیں۔ مغربی پاکستان میں اس تنظیم کے قیام کے مقصد کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اہم بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کو اتنی جرأت ہوئی ہے کہ وہ اخبارات کے ذریعے اپنے اس مذموم منصوبے کا اعلان کر رہی ہے۔

عوام دوست طاقتوں کو خبردار رہنے کا انتہائی نازک لمحہ آ پہنچا ہے۔ ان کے دشمن حملہ کرنے کی تیاریوں میں پہلے سے کہیں زیادہ تیزی سے کام لے رہے ہیں؛ ضرورت اس امر کی ہے کہ دشمن حملہ کرے تو اسے دندان شکن جواب ملے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا یہ منصوبہ کسی قیمت پر کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے لئے وطن اپنے سپوتوں سے قربانیاں مانگے گا۔ وطن کو بچانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جایئے؛

۲۰ دسمبر آئین، ۲۷ دسمبر اجلاس، فوراً بعد مرکزی حکومت

اب میں آپ کو اقتدار کی منتقلی کے اس منصوبے کی تفصیلات بتانا چاہتا ہوں جس کے متعلق میں نے اس سال ۲۸ رجون کو اعلان کیا تھا اور جس کے بعد ۱۸ ستمبر کو میں نے ایک بیان جاری کیا تھا۔ میں اس بات کا ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ اس منصوبے کے متعلق سیاسی لیڈروں سے مکمل بات چیت ہو چکی ہے اور انہیں واضح طور پر بتا دیا گیا تھا کہ میں کیا اعلان کرنے والا ہوں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں نے اس منصوبے کی تکمیل کے لئے پہلے ہی بعض اقدامات کئے ہیں چیف الیکشن کمشنر نے مشرقی پاکستان سے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی خالی نشستوں کے ضمنی انتخابات کے لئے انتظامات کئے ہیں۔ آئین ۲۰ دسمبر کو شائع کر دیا جائے گا اور قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو بلایا جائے گا۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ قومی اسمبلی کو آئین میں ترمیمیں تجویز کرنے کا اختیار ہو گا اور ۹۰ دن کی ابتدائی مدت میں اس کام میں سہولت پیدا کرنے کے لئے ایک خصوصی اور آسان طریقہ کار رکھا گیا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ اسمبلی آئین میں کوئی ترمیم اس صورت میں پیش کر سکے گی۔ جب اسے ایوان کی کل نشستوں کی سادہ اکثریت اور صوبوں کی رضامندی یعنی ہر صوبے کی کل نشستوں میں سے کم ۲۵ فی صد کی حمایت حاصل ہو گی، اس کے متعلق صحیح حساب لگانے کے لئے کسر کو پوری اکائی سمجھا جائے گا۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ ۹۰ دن کی اس مدت میں مجوزہ ترمیموں پر میری طرف سے غور اور نظر ثانی کی مدت بھی شامل ہو گی۔ گویا صورت حال یوں ہو گی کہ مدت شروع ہونے کے بعد اس تمام عرصے میں مجوزہ ترمیمیں میرے پاس مسلسل بھیجی جاتی رہیں گی۔ لیکن آخری ترمیمیں تین مہینے کی اس مدت کے آغاز کے ۸۰ دن بعد نہیں آنی چاہئیں تاکہ ان پر غور اور نظر ثانی کرنے کے لئے مجھے کم از کم دس دن مل سکیں۔ اس طرح اس سارے کام پر ۹۰ دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

قومی اسمبلی کے انتخابات ۲۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مکمل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۷ دسمبر کو بلایا جائے گا۔ اس اجلاس کی صدارت ایوان کے معمر ترین رکن کریں گے جنہیں میں نامزد کروں گا۔ اس کے بعد ممبر حلف اٹھائیں گے اور اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب ہو گا۔

اقتدار کی منتقلی کی رفتار تیز کرنے کے لئے قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کے فوراً بعد مرکزی حکومت بنائی جائے گی۔ ترمیمیں پیش کرنے اور ان پر غور کرنے کے لئے ۹۰ دن کی مدت مرکزی حکومت کے قیام کے بعد شروع ہو گی۔ مغربی پاکستان میں صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس خواتین کی نشستوں کے انتخابات اور بعض ضمنی انتخابات مکمل ہونے کے بعد مختصر نوٹس پر بلائے جا سکتے ہیں۔ جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے۔ چیف الیکشن کمشنر اس صوبائی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے انتخابی پروگرام کا اعلان کر چکے ہیں۔ پروگرام یہ ہے کہ قومی اسمبلی کی ۷۸ نشستوں کے ضمنی انتخابات کے ساتھ ساتھ صوبائی اسمبلی کی ۱۰۵ نشستوں کے ضمنی انتخابات ۱۲ دسمبر سے ۲۳ دسمبر ۱۹۷۱ء تک ہوں گے اور صوبائی اسمبلی کی ۸۸ نشستوں کے ضمنی ا[illegible] ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء سے ۷ جنوری ۱۹۷۲ء تک کرائے جائیں گے۔ اس طرح صوبائی اسمبلیوں کی کارگذاری کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔ اور صوبوں میں حکومتوں کے قیام کے لئے انتظامات مکمل ہو جائیں گے۔

تقریر کے اہم نکات

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے وہ طاقتیں جو پاکستان کے قیام کی مخالف تھیں، انہوں نے اس کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا، اور ہمیشہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہی ہیں کہ ہم کو کمزور کر دیا جائے اور اس ملک کو آخر کار بالکل نیست و نابود کر دیا جائے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ پچھلے چوبیس برس میں ہماری طرف سے دوستی اور مصالحت کی تمام پرخلوص کوششوں کے باوجود بھارت نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

اس نے ہمارے خلاف جو متعدد کارروائیاں کی ہیں اور برابر کرتا رہتا ہے ان سے ہمارے خلاف اس کے مخاصمانہ عزائم اور سازشوں کا ثبوت ملتا ہے۔

کشمیر پر طاقت کے بل پر قبضہ، ۱۹۶۵ء میں پاکستان پر حملہ اور فرخا بیراج سے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو جن خوفناک مصیبتوں کا سامنا ہو گا۔ انہیں ہماری طرف سے واضح کرنے کی مسلسل کوششوں کے باوجود اس بیراج کی تعمیر، بھارت کی طرف سے ہمیں ہر طرح سے کمزور کرنے اور نقصان پہنچانے کی کوششوں کی چند بڑی مثالیں ہیں، ان کے علاوہ بھارت کی پاکستان دشمنی کی لاتعداد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

بھارت نے پاکستان کو پارہ پارہ کرنے کی جو تازہ ترین کوششیں کی تھیں، وہ آپ سب کے علم میں ہیں۔ اس نے مشرقی پاکستان کے لیے علیحدگی پسند عناصر سے گٹھ جوڑ کر کے اس علاقہ کو باقی ملک سے الگ کرنے کی کوشش کی اور اس غرض کی تکمیل کے لئے اس نے شرپسندوں کو اسلحہ گولا بارود اور روپیہ پیسہ فراہم کیا اور مشرقی پاکستان کے محب وطن لوگوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچانے کیلئے مداخلت کار بھیجے

ہر شعبہ زندگی میں لوگوں کو ہم آہنگی پیدا کرنے اور اتحاد اور یک جہتی کو فروغ دینے کی ٹھوس کوششیں کرنی چاہئیں تاکہ پوری قوم ملک کے دفاع کے لئے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑی ہو جائے۔ مجھے اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ اس موقع پر ساری قوم اپنا فرض ادا کرے گی اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر جرأت مندی کے ساتھ اپنے ملک کی سلامتی اور سالمیت کی حفاظت کے لئے اپنی مسلح فوجوں کے شانہ بشانہ صف بستہ ہو جائے گی۔

یومِ حساب آگیا ہے

محمود شام

ہر گام حشر کی فضا ہے
ہر شہر دشتِ کربلا ہے
گلیاں جواں لہو کی پیاسی
روحوں کو کھا گئی اُداسی
کہرام ہر قدم بپا ہے
یومِ حساب آگیا ہے

ہم کیا ہیں، کون ہیں، کہاں ہیں
کس سمت قافلے رواں ہیں
اذنِ سفر دیا تھا کس نے
جرمِ نمو کیا تھا کس نے
ہر لمحہ اب یہ پوچھتا ہے
یومِ حساب آگیا ہے

گھر گھر لگی ہوئی عدالت
جاری ہے ہر گھڑی سماعت
جو کچھ ہے دفترِ عمل میں
ہو جائے پیش ایک پل میں
ہر سمت اب یہی صدا ہے
یومِ حساب آگیا ہے

لفظوں سے بچھڑ گئے معانی
دل کی دل میں رہی کہانی
جلتے تھے ہونٹ ضبطِ غم سے
گھائل تھے دل شبِ ستم سے
لیکن وہ عہد ڈھل چکا ہے
یومِ حساب آگیا ہے

لمحے خراج مانگتے ہیں!
حالات جواب چاہتے ہیں
آغوشِ حیات کیوں ہے خالی
ہر سانس بن گئی سوالی
آنکھوں میں خوں دہک رہا ہے
یومِ حساب آگیا ہے

دھرتی کا سہاگ کس نے لوٹا
کرنوں کا خواب کیسے ٹوٹا
دامانِ خیال کیوں تہی ہے
اُمید کیوں سسک رہی ہے
خاموش کیوں مرا خدا ہے
یومِ حساب آگیا ہے

ماضی ہے حاضرِ عدالت
سورج کے حضور ہے ظلمت
لمحے شہادتیں اٹھائے
اک عہد گردنیں جھکائے
اک عہد مضطرب کھڑا ہے
یومِ حساب آگیا ہے

بھائی بھائی کا اب نہیں ہے
انسان ہے اک طرف زمیں ہے
تاریخ کے ورق کھلے ہیں
لمحے قلم لئے کھڑے ہیں
یومِ حساب آگیا ہے

اس ہفتہ کی اہم خبریں

روس نے چینی سرحدوں پر فوج کی تعداد بڑھادی

واشنگٹن ۴ اکتوبر: روس نے پہلی مرتبہ مشرقی یورپ کے مقابلے میں چین کی سرحدوں پر ۴۶ ڈویژن فوج لگادی۔ جس میں سے روس کے باہر جمہوریہ منگولیا سمیت مشرق بعید میں صرف ۱۵ ڈویژن فوج تھی لیکن اب مشرقی یورپ میں ۳۱ ڈویژن فوج کے برعکس روس نے چین کے خلاف ۴۴ ڈویژن فوج لگا رکھی ہے۔

عرب وفاق کے سربراہوں کا اجلاس

قاہرہ ۴ اکتوبر: تین عرب ملکوں کے وفاق کے لیڈروں نے آج صدارتی کونسل کے باضابطہ اجلاس سے قبل غیر رسمی بات چیت کی۔ اس اجلاس میں صدر سادات لیبیا کے صدر کرنل قذافی اور شام کے صدر جنرل حافظ الاسد شریک ہوئے صدارتی کونسل کا اجلاس تین دن تک جاری رہے گا۔

ایوان صدر سے تین زہریلے ناگ پکڑے گئے

کراچی ۶ اکتوبر: ایوان صدر کے وسیع وعریض لان میں سوئمنگ پول کے قریب کیوڑہ کی جھاڑیوں میں سے تین خطرناک زہریلے سیاہ ناگ پکڑ لئے گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ ناگ اس وقت پکڑے گئے جب صدر پاکستان کے صاحبزادے کی شادی کی تقریبات کے لئے ایوان صدر کی صفائی شروع کی گئی۔

یاسر عرفات قاتلانہ حملے میں بچ گئے

دمشق ۷ اکتوبر: فلسطینی تحریک مزاحمت کے لیڈر یاسر عرفات، ایک قاتلانہ حملہ میں بال بال بچ گئے۔ حملہ اس وقت کیا گیا جب وہ شام میں اپنے فوجی ٹھکانوں کا معائنہ کر رہے تھے۔ حملہ میں کار ڈرائیور ہلاک ہو گیا۔ شام کی حکومت نے بہت سے مشتبہ افراد کو اس الزام میں گرفتار کر لیا۔ اور باقاعدہ تفتیش شروع کر دی گئی۔

نہری پانی کی تقسیم گورنروں کے درمیان بات چیت

لاہور ۷ اکتوبر: پنجاب اور سندھ کے درمیان نہری پانی کی تقسیم کا مسئلہ سیکرٹریوں کی سطح پر طے ہونے والا تھا لیکن پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے زور دیا کہ یہ مسئلہ خاصہ اہم اور سنگین ہے، اس لئے گورنروں کی سطح پر بات چیت کی جائے۔ لہٰذا اب یہ مسئلہ دونوں صوبوں کے گورنروں کی سطح پر غور کیا جا رہا ہے۔

جنوری تک عوامی حکومت کا مطالبہ

ملتان ۸ اکتوبر: ذوالفقار علی بھٹو نے کارکنوں کے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہم اگلے سال جنوری کے مہینے میں عوامی حکومت چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر بھارت سے جنگ کا خطرہ لاحق ہے تو حکومت کو چاہیئے کہ وہ جلد از جلد اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے کر دے تاکہ سیاسی محاذ پر بھی اس جنگ کا مقابلہ کیا جا سکے۔

۱۸ برطانوی سفارتی نمائندوں کو روس سے نکال دیا گیا

لندن ۸ اکتوبر: روس نے ماسکو میں مقیم اٹھارہ برطانوی سفارتی نمائندوں اور تاجروں کو روس سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ یہ کارروائی برطانیہ سے ۱۰۵ روسی سفارتی نمائندوں کو نکل جانے کے حکم کے جواب میں کیا ہے اس صورتحال کے پیش نظر برطانوی وزیر خارجہ سر ایلک ڈگلس ہیوم کا دورہ روس منسوخ کر دیا گیا۔

ماؤزے تنگ صحت مند ہیں

پیکنگ ۸ اکتوبر: ایتھوپیا کے وفد کے قریبی ذرائع کے مطابق شہنشاہ ہیل سلاسی نے چیئرمین ماؤزے تنگ سے ملاقات کی ان ذرائع کے مطابق چیئرمین ماؤ ٹھیک ٹھاک اور تندرست نظر آ رہے تھے۔

سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کا نیا ضابطہ

راولپنڈی ۹ اکتوبر: چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے مارشل لاء کا ایک نیا ضابطہ جاری کیا جس کے تحت کل سے ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی ہٹا دی گئی۔ واضح رہے کہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء سے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی گئی تھی۔ سیاسی سرگرمیوں کو دوبارہ بحال کرنے کے لئے ایک نیا ضابطہ ۹۴ جاری کیا گیا۔ جس کے مطابق کوئی بھی شخص اگر پاکستان کے نظریہ یا سلامتی یا قانونی ڈھانچہ کے حکم مجریہ ۱۹۷۰ء کی شق ۲۰ کی خلاف ورزی کرے گا تو اس پر تین سال تک قید بامشقت یا جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔

بے گھر افراد کا مسئلہ پر امن طور پر حل کیا جائے

الجزائر ۹ اکتوبر: روس اور الجزائر دونوں ملکوں نے پاکستان کے قومی اتحاد اور علاقائی سالمیت کے احترام کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان اور بھارت سے اپیل کی کہ وہ عدم مداخلت اور باہمی احترام کے اصولوں کے پیش نظر بے گھر افراد کے مسئلہ کو پرامن طور پر حل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ بات کل یہاں روسی وزیر اعظم کوسیجن اور الجزائر کے صدر بومدین کے درمیان بات چیت کے اختتام پر ایک مشترکہ اعلامیہ میں کہی گئی۔

خان قیوم جمہوریت نہیں چاہتے

کراچی ۹ اکتوبر: کالعدم عوامی لیگ کے نائب صدر ماسٹر خان گل نے الزام لگایا ہے کہ موجودہ حالات کی ذمہ داری مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پر عائد ہوتی ہے۔ انہوں نے خان قیوم پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وہ مفاد پرستوں کی قیادت کر رہے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ملک میں جمہوریت بحال ہو۔

اصغر خان کی پریس کانفرنس

کراچی ۱۱ اکتوبر: تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایر مارشل اصغر خان نے اس بات پر سخت احتجاج کیا کہ مشرقی پاکستان میں ان کے بیانات کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ چنانچہ وہ مشرقی پاکستان کے انتخابات کا بائیکاٹ کریں گے

بورژوا سماج میں انتخابات مسائل کا حل نہیں

کراچی ۱۰ اکتوبر: پیپلز پارٹی کراچی کے جنرل سیکرٹری جناب معراج محمد خان نے پارٹی کی مقرر کردہ کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک سوشلسٹ ہونے کی حیثیت سے وہ بورژوا سماج میں ہونے والے انتخابات اور اس کے نتائج پر ایمان نہیں رکھتے، دوسرے یہ کہ موجودہ صورت حال میں آزادانہ انتخابات نہیں ہوں گے۔

جماعت اسلامی مارپیٹ کا دستہ تیار کر رہی ہے

سکھر ۱۰ اکتوبر: جماعت اسلامی نے اپنے سیاسی مخالفین سے نمٹنے کے لئے ہر محلے میں اپنے حامیوں پر مشتمل ایک لڑاکا دستہ منظم کر رہی ہے۔ واضح رہے کہ جماعت اسلامی نے اپنے سیاسی مخالفین کو غنڈہ عناصر کا نام دیتی ہے، جماعت اسلامی نے اپنے اس فیصلے سے تمام برانچوں کو آگاہ کر دیا ہے۔ کہ ہر محلے میں اس قسم کا ایک اسکواڈ منظم کیا جائے۔



۲۲ خاندان —— تفصیلات بھی

ولیکا

ٹیکس بچانے میں ماہر ہے

ان کی پرورش میں حبیب بنک کی خدمات نمایاں ہیں

"الفتح" رپورٹ

کریسنٹ کی طرح ولیکا بھی پاکستان کے چار بڑے سرمایہ داروں (داؤد، سہگل، آدم جی اور حبیب) کے مقابلے میں دوسرے درجہ کے تاجر شمار ہوتے ہیں۔ پھر بھی کاروباری دنیا میں چھٹی پوزیشن کے مالک ہیں - آزادی سے پہلے ولیکا خاندان کے کچھ افراد بہت ہی معمولی قسم تاجر تھے۔ کچھ چھوٹی موٹی دکانداری کرکے پیٹ پالتے تھے - اور چند ایک بمبئی کے مضافات میں پولیس میں ملازم تھے - آزادی کے بعد اس خاندان نے سندھ میں غلے کی تجارت سے لوٹ کھسوٹ کا افتتاح کیا۔ اس تجارت میں انھیں گورنمنٹ کی سرپرستی بھی حاصل رہی اس کے ساتھ ہی ہمارے دشمن نمبرا بھارت سے امپورٹ میں بے پناہ منافع کمایا۔ اس سارے کاروبار میں ولیکا کو سرمایہ حبیب بنک نے فراہم کیا - اور جب مناسب مقدار میں سرمایہ جمع ہوگیا تو ولیکا خاندان فی الفور ولیکا ٹیکسٹائل مل لگاکر صنعتی دور میں شریک ہو گئے۔

۱۹۵۵ء میں ولیکا پاکستان کا تیسرا سب سے بڑا خاندان بن گیا۔ صرف آدم جی اور داؤد اس سے آگے تھے۔ ۱۹۶۹ء میں وہ اپنی پوزیشن برقرار نہ رکھ سکا اور چھٹے نمبر پر آگیا۔

ولیکا کی مندرجہ ذیل سات کمپنیاں باقاعدہ اسٹاک ایکسچینج میں درج ہیں۔

۱- ولیکا ٹیکسٹائلز
۲- ولیکا وولن
۳- ولیکا آرٹ فیبرکس
۴- محمدی اسٹیم شپ
۵- ولیکا سیمنٹ
۶- ولیکا کیمیکلز
۷- یونائیٹڈ انشورنس

۱۹۶۶ء میں ان سات کمپنیوں کا مجموعی اداشدہ سرمایہ ۸ کروڑ تک پہنچ چکا تھا- اور اثاثوں کی قیمت ۲۴ کروڑ سے تجاوز کر چکی تھی- اگرچہ ولیکا کاروباری لحاظ سے چھٹے نمبر پر ہیں۔ لیکن اپنے اوچھے اور گھٹیا تجارتی ہتھکنڈوں کے لحاظ سے ان کا کوئی مدِمقابل نہیں ہے۔ ٹیکس بچانے کے معاملات کو انہوں نے فن کا درجہ دے رکھا ہے- اور اس طرح قوم کو کروڑوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔

یونائیٹڈ انشورنس کے علاوہ باقی چھ کمپنیوں پر خاندانی اجارہ داری دو عدد مینجنگ ایجنسیز کے ذریعے قائم رکھی جاتی ہے محمدی سٹیم شپ، احمد شپنگ اور باقی پانچ کمپنیاں ولیکا قمر الدین لمیٹڈ کی وساطت سے کاروبار کرتی ہیں۔

ولیکا خاندان کی پہلی صنعتی کاوش ولیکا ٹیکسٹائل ملز کے نام سے ۱۹۴۸ء میں معرض وجود میں آئی، اور اس نے ۱۹۴۹ء میں کام کرنا شروع کیا- اس کمپنی کا ادا شدہ سرمایہ صرف ۲۰ لاکھ تھا- اور بیس سال میں اس میں ۲۲۱۱ فیصد اضافہ ہوا۔

پانچ سالہ منصوبوں کے دوران ولیکا کے ادا شدہ سرمایہ میں اضافہ کی رفتار یہ رہی

سال	اداشدہ سرمایہ کروڑوں میں
۱۹۵۵	۳
۱۹۶۰	۳
۱۹۶۵	۸
۱۹۶۹	۹

پاکستان کے دوسرے سرمایہ داروں کی طرح ولیکا کا لوٹ کھسوٹ کا عمل دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے دوران تیز ترین رہا- اس دوران ولیکا نے اپنے کیمیکل اور سیمنٹ کے پلانٹوں کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا پروانہ حاصل کیا- کیمیکل پلانٹ ولیکا کے لئے سانپ کے منہ میں چھچھوندر ثابت ہوا۔ ٹیکنالوجی کے جس معیار کی ضرورت اس پلانٹ کی ترقی کے لئے ضروری تھی- وہ ہمارے ملک میں مفقود تھی- اور اسی پلانٹ کی وجہ سے ولیکا کی توسیع میں سست روی آگئی۔

الفتح کراچی

ولیکا کے اداشدہ سرمایہ میں اضافہ کی (سال بسال) رفتار یہ رہی۔

سال	ولیکا ٹیکسٹائل	ولیکا وولن	محمدی اسٹیم شپ	ولیکا آرٹ فیبرکس	یونائیٹڈ انشورنس	ولیکا سیمنٹ	ولیکا کیمیکلز	ٹوٹل
۱۹۵۴ء	۷۲	۲۲	۲۰۰	۲۵	——	——	——	۳۱۹
۱۹۵۵ء	۷۲	۲۵	۲۰۰	۲۵	——	——	——	۳۲۲
۱۹۵۶ء	۸۶	۳۱	۲۰۰	۲۵	——	——	——	۳۴۲
۱۹۵۷ء	۸۶	۳۷	۱۶۰	۲۵	——	——	——	۳،۰۸
۱۹۵۸ء	۸۶	۳۷	۱۶۰	۲۵	——	——	——	۳،۰۸
۱۹۵۹ء	۸۶	۳۷	۱۶۰	۲۵	——	——	——	۳،۰۸
۱۹۶۰ء	۸۶	۳۷	۱۶۰	۲۵	۲۰			۳،۲۸
۱۹۶۱ء	۱۰۸	۷۳	۱۶۰	۲۵	۲۰	——	——	۳،۸۶
۱۹۶۲ء	۱۲۹	۸۸	۱۶۰	۲۵	۲۰	۱۵۰	——	۵،۷۲
۱۹۶۳ء	۱۲۹	۸۸	۱۶۰	۲۵	۲۰	۱۵۰	۳۰۰	۸،۷۲
۱۹۶۴ء	۱۲۹	۸۸	۱۶۰	۲۵	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۹،۲۲
۱۹۶۵ء	۹۰	۵۳	۱۶۰	۱۰	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۸،۳۳
۱۹۶۶ء	۹۰	۵۳	۱۶۰	۱۰	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۸،۳۳
۱۹۶۷ء	۹۹	۵۳	۱۶۰	۱۰	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۸،۴۸
۱۹۶۸ء	۹۹	۵۸	۱۶۰	۱۰	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۸،۴۸
۱۹۶۹	۹۹	۵۸	۱۹۲	۱۱	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۸،۸۰

اب ولیکا کی صنعتی سلطنت کاٹن، وولن، اور مصنوعی سلک ٹیکسٹائل، سیمنٹ، کیمیکل، شپنگ اور انشورنس پر مشتمل ہے۔

۱- ولیکا ٹیکسٹائل ملز ۱۹۴۷ء میں قائم ہوئی اور ۱۹۴۹ء میں کراچی اسٹاک ایکسچینج کی فہرست پر آئی۔ یہ آزادی کے بعد کراچی کے سائٹ ایریا میں پہلی مل تھی۔ اس مل نے ۲۵۰ لومز سے کام شروع کیا۔ ۱۹۵۱ء میں ۶۰۰۰ میں ... ایک عمدہ جدید پرنٹنگ پلانٹ لگایا گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ تعداد ۷۵۰۰ ہوگئی اور لومز بھی بڑھا کر ۱۰۰۳ کر دی گئیں۔ رنگائی۔ پرنٹنگ اور فنشنگ کی ساری سہولتیں بھی مہیا کر دی گئیں۔ پھر سنٹرل ایکسائز کیپسٹی ٹیکسیشن کے لگنے پر فوراً لومز کی تعداد گھٹا کر ۸۰۰ کر دی گئی اور اسطرح ٹیکس کی قانونی چور ... ایک نئی راہ کھول دی۔ اس مل کی سب سے ... حیثیت یہ ہے کہ اسمیں مل مالکان اور مزدوروں کے تعلقات ہمیشہ سے خراب چلے آ رہے ہیں۔ الزام مل مزدوروں کو دیں یا اُن تجوریوں کو جو دولت سمیٹنے کے لئے صرف اندر کو کھلتی ہیں۔

۲- ولیکا وولن ۱۹۴۹ء میں قائم ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی اسٹاک ایکسچینج کی زینت بنی۔ ۱۹۶۱ء میں منظور بھائی وولن مل بھی خرید لی گئی۔ اور اس کا نام حیدری وولن ملز رکھا گیا۔ اس مل نے PICIC سے ۳۷ لاکھ کا غیر ملکی قرضہ لیا تاکہ وول کومبنگ پلانٹ نصب کیا جا سکے۔ اس سے پیشتر اس پلانٹ کی توسیع کے نام پر ۵۸ لاکھ کا ایک قرضہ پہلے ہی ہتھیایا جا چکا تھا۔

۳- ولیکا آرٹ فیبرکس مصنوعی چمڑا اور سلک تیار کرنے کے ارادے سے قائم کی گئی۔ یہ مِل کراچی اسٹاک ایکسچینج کی فہرست پر ۱۹۵۴ء میں آئی۔ ۱۹۵۷ء میں تجرباتی طور پر ... شیٹس اور نرم اور سخت پائپ بنانے کی کوشش بھی کی گئی۔

۴- ولیکا سیمنٹ لمیٹڈ منگوپیر (کراچی) میں ہے۔ اس کے لئے خام مواد آس پاس کی پہاڑیوں سے وافر مقدار میں مِل جاتا ہے۔ پکی سڑکیں مل کے دروازے کے سامنے سے گزرتی ہیں۔ اور مستقبل میں ریلوے لائن کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔ اس فیکٹری میں جدید مشینیں نصب ہیں۔ ابھی تقریباً ... ٹن سیمنٹ روزانہ تیار ہوتا ہے لیکن مستقبل میں پیداوار دوگنی ہو جانے کے امکانات ہیں۔

۵- ولیکا کیمیکل انڈسٹریز تقریباً ۵۰۰۰ ٹن سالانہ ہائی پریشر پالی تھین اور ۳۰۰۰ ٹن سالانہ منتھال تیار کرتی ہے۔ پالی تھین کی بے پناہ ضرورت کے مدِ نظر گورنمنٹ نے اس مل کو توسیع کی اجازت دی ہے۔ بہت جلد ۰۰۰۰ ٹن سالانہ اور پالی تھین تیار ہونے لگے گی۔ گورنمنٹ نے (HEXAMINE) کی تیاری کے لئے PICIC کے ذریعے غیر ملکی کرنسی میں ایک قرضہ کی منظوری بھی دے دی ہے اور ۱۹۶۸ء سے اس نئے پلانٹ نے کام شروع کرنا تھا۔

۶- محمدی اسٹیم شپ بھی ۱۹۴۷ء میں قائم ہوئی اور ۱۹۴۹ء میں کراچی اسٹاک ایکسچینج کی فہرست پر آئی۔ آزادی کے وقت کسی ایسی مسلم جہازران کمپنی کا وجود نہ تھا، جو کراچی اور چٹاگانگ کے درمیان آمد و رفت، اور سامان لانے اور لے جانے کا سلسلہ قائم رکھ سکے۔ ۱۹۶۶ء کے آخر تک یہ کمپنی پانچ اپنے جہاز خرید چکی تھی۔ اپنے جہازوں کے علاوہ محمدی اسٹیم شپ کمپنی چار دوسری جہازران کمپنیوں کی بھی ایجنٹ کا کام کرتی ہے۔ ان کمپنیوں کے نام یہ ہیں۔ لیشن، کیلیفورنیا، یوگوسلاویہ اور نیویارک

۷- یونائیٹڈ انشورنس: دوسرے سرمایہ دار خاندانوں کی طرح ولیکا نے بھی جلد از جلد اپنی انشورنس کمپنی کھولنے کی طرف توجہ دی۔ وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ اُن کے مال کا پریمیم کسی اور کی جیب میں جائے۔ اس کے علاوہ پالیسی ہولڈرز کی جمع شدہ رقم بھی ان کی تجارت میں استعمال ہو کر اُن کے سرمائے میں مزید اضافے کا باعث بنتی۔ اس طرح ۱۹۵۹ء میں یونائیٹڈ انشورنس کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

۱۹۶۶ء میں ولیکا کی سات کمپنیوں کے ڈائریکٹرز کی تعداد ۰۰ تھی جن میں سے کم از کم ۳۵ خود اُن کے گھر کے افراد تھے۔

ولیکا خاندان کے افراد کے نام	ڈائریکٹر شپ
۱- فخر الدین ولی بھائی	۶
۲- سیف الدین ولی بھائی	۷
۳- نور الدین ولی بھائی	۶
۴- نجم الدین ولی بھائی	۶
۵- قمر الدین ولی بھائی	۱
۶- قمر الدین - فخر الدین	۶
۷- اصغر علی سیف الدین	۳
میزان	۳۵

شیئر ہولڈرز کو منافع دینے کے سلسلے میں اس خاندان کا ریکارڈ بہت ہی خراب ہے۔ ۱۹۶۳ء میں صرف ایک فیصدی منافع کا اعلان کیا گیا۔ ۱۹۶۴ء میں یہ ۲ فیصد سے نہ بڑھ سکا۔

روزنامہ غالب
سے
روزنامہ جنگ
تک
(۸)

سیٹھ احمد داؤد

ٹیلیفون کر کے سیاسی موسم کا حال پوچھا کرتے تھے

افضل صدیقی

سدا وقت ایک سا نہیں رہتا۔ بنی بنائی عزتیں پل بھر میں خاک ہوتے اور بڑی بڑی قدر آور شخصیتوں کو زمین بوس ہوتے دیکھا ہے۔ عوامی جمہوری چین کے قومی دن کے موقع پر کراچی میں چینی قونصل جنرل نے جو استقبالیہ دیا۔ اس میں جب میں نے پاک فوج کے سابق سربراہ اور سابق گورنر مغربی پاکستان جنرل محمد موسیٰ کو بھٹو صاحب سے جاپانیوں کی طرح جھک جھک کر ملتے اور ان سے رخصت ہوتے دیکھا تو مجھے مسٹر بھٹو کا وہ زمانہ یاد آگیا جب لوگ ان کے سائے سے کتراتے تھے۔ اور ان سے ملنا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کے برابر سمجھتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا۔ جب مسٹر بھٹو کو بڑے بڑے اعلیٰ درجے کے بوگس مقدمات میں پھانسا جا رہا تھا۔ ٹریکٹر کیس، کھاد کا مقدمہ، بچوں کا مقدمہ جائیداد کا مقدمہ، سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا مقدمہ اور سب سے بڑا ملک دشمنی کا مقدمہ اور اس روز ملک کے اتنے بڑے دشمن سے اتنا بڑا محب وطن کمال انکساری و خاکساری کے ساتھ مل رہا تھا، وقت وقت کی بات ہے اور سدا وقت ایک سا نہیں رہتا، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن کے لئے وقت ٹھہر جاتا ہے جن کا وقت کبھی نہیں بگڑتا اور جن کا وقت کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا۔ ایسے ہی سدا بہار لوگوں میں بیگم سروری عرفان اللہ بھی ہیں، جن کے بارے میں یہ نہیں کھلتا کہ وہ قیوم خانی مسلم لیگی ہیں، یا فضل القادری، وہ دس سال پہلے بھی ویسی ہی تھیں جیسی اس روز چینی استقبالیہ میں نظر آئیں۔ ان کے چہرے کے بناؤ میں وقت ٹھہرا ہوا تھا۔ بھٹو صاحب کو جب انہوں نے قدر دانوں میں گھرے ہوئے دیکھا تو لپک جھپک کرتی ان کے پاس آئیں اور آتے ہی ان پر خالص عورتوں والے طعنوں کی بارش شروع کر دی ان کے سارے طعنوں کے جواب میں مسٹر بھٹو نے ان کے گلے میں پڑا ہوا بھاری جڑاؤ کا طلائی نیکلیس ہاتھ میں لے کر کہا تھا "یہ قربانیاں دی ہیں مسلم لیگ نے؟" اور سروری عرفان اللہ کو جب کوئی جواب نہ سوجھا تو انہوں نے بھٹو صاحب کے کوٹ کے اوپر کی جیب کے معمولی سے رومال کو چھو کر فرمایا: "تو کیا یہ قربانیاں دیتی مسلم لیگ"؟ اور بھٹو نے ان کو اپنے رومال کی قیمت بتائی "صرف ایک روپیہ" اور پھر وہ کھسیانی ہو کر ایک طرف کو چل دیں۔

حال کا یہ ذکر میں نے ماضی کے تذکروں میں اس لئے چھیڑا کہ یہ وہی سروری عرفان اللہ تھیں، جو تقریباً روزانہ مجھے جنگ میں ٹیلی فون کر کے میری خیریت معلوم کیا کرتی تھیں، اس وقت میرے پاس جنگ کے نیوز ایڈیٹر کی کرسی تھی۔ اور میرے اختیار میں تھا کہ کس کی تصویر کس صفحے پر کتنی بڑی چھپے۔ اور اب یہی عرفان اللہ تھیں۔ جنہوں نے مجھے اس استقبالیہ دعوت میں دیکھا تو یوں بن گئیں، جیسے دیکھا نہ ہو، اور میں نے بھی انہیں پکڑ کر ان سے گلہ کرنے کی زحمت نہیں کی۔ اس لئے کہ وقت ان کے لئے ٹھہرا ہوا ہے۔ میں اپنے وقت کو بدلنے کا حوصلہ رکھتا ہوں ان کا وقت نہیں بدل سکتا۔ اور میرا وقت پھر بدلے گا۔

ایک سروری عرفان اللہ کیا۔ سیٹھ احمد داؤد جیسے لوگ بھی ہفتے میں دو بار مجھ سے گفتگو کر کے سیاسی موسم کی کیفیت دریافت کیا کرتے تھے اور ہر بار وہ اپنی اس خواہش کو دہراتے تھے کہ میں کبھی جا کر ان سے ملوں، "میں پوچھتا تھا۔ کیوں" تو وہ کہتے تھے "ارے بابا۔ بس گپ شپ کے لئے؟ بیٹھے تو ہونا"۔ اور میں کبھی ان سے جا کر گپ نہیں لڑا سکا۔ ان کا میر خلیل الرحمٰن سے سرمائے کا رشتہ تھا اور ہے، اسی نسبت سے وہ غالباً مجھ سے بات کرنا اپنا حق سمجھتے ہوں گے۔ یہ نسبت منقطع ہو گئی۔ تو بھلا وہ کیوں مجھے پوچھنے لگے، اور میں تو پہلے بھی انہیں نہیں پوچھتا تھا۔ تو اب کیوں پوچھوں گا۔

یہ بات یوں نکل آئی کہ میں نے سابق گورنر موسیٰ کو بھٹو کے آگے جھکے ہوئے دیکھ لیا۔ یہ سارے کھیل کرسی کے ہیں حیثیت عہدے اور مرتبے کے ہیں، کرسی چھننے کے بعد بڑے بڑوں کا حشر اپنے سامنے دیکھا ہے تو اپنی کرسی کا غم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مکاری کے ساتھ نیازمندانہ جھک کر ملنے کا چلن آج تک نہیں سیکھ سکا۔ شکایت صرف اپنے پیشے کے ان لوگوں سے ہے جنہوں نے نیا نیا اس کوچے میں قدم رکھا ہے! اور جنہیں اپنے سینئر ساتھیوں کے ادب و احترام کا لحاظ نہیں، اب سے دس بارہ سال پہلے یہ بات نہیں تھی، پہلے اخباروں میں کام کرنے والے نو آموز اور جونیئر صحافی اپنے سے سینئر صحافیوں کا پورا احترام ملحوظ رکھتے تھے خواہ وہ ڈگری زدہ علم کے معاملہ میں ان سے کتنے ہی کم تر کیوں نہ ہوں اور سینئر لوگ بھی اپنے جونیئر ساتھیوں سے شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ خواہ وہ کتنے ہی کوندن کیوں نہ ہوں — اب یہ ادب و احترام اور محبت و شفقت کی روایتیں دم توڑتی جا رہی ہیں، ان اچھی روایتوں کو ختم کرنے میں مالکان اخبارات کا ہاتھ زیادہ ہے جن کے اشارہ پر اب اخباری دفتروں میں نت نئی سازشیں جنم لیتی ہیں، سینئر اور جونیئر کے فرق و امتیاز سے قطع نظر ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچی جاتی ہے۔ مالکان اپنے ملازموں میں نفاق کا بیج بو کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں، سینئر کو نظر انداز کر کے کل کے آئے ہوئے لڑکے میں پھونک بھر دی اور وہ خم ٹھونک کر ان لوگوں کے سامنے آگیا، جن سے اس نے کام سیکھا تھا۔ جن کا وہ احترام کرتا تھا۔ جن کے ساتھ وہ رات دن اُٹھتا بیٹھتا تھا۔ سازشیں شروع ہوئیں۔ کل تک جو اعلیٰ عہدے پر فائز صحافی اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہے تھے۔ ان کا دھڑن تختہ ہو گیا۔ اور جونیئر ان کے سر پر آ کر بیٹھ گئے، ظاہر ہے ایسے عالم میں کام کیسے ہو سکتا ہے اور اخباری دفتر میں تعاون کی فضا کیسے برقرار رہ سکتی ہے، عزت و احترام کیونکر قائم رہ سکتا ہے کارکن صحافی مالکوں کی ان مصلحتوں اور سازشوں کو سمجھ نہیں سکتے اور بہت عارضی فائدوں کے جال میں پھنس کر اپنے ہم پیشہ رفیقوں کے احسانات بھلا کر ان کی جڑ کاٹنے لگتے ہیں مالکان تو چاہتے ہی ہیں کہ کارکنوں میں اتحاد نہ رہے تاکہ وہ اپنے جائز مطالبات منوانے کی قوت جمع نہ کر سکیں۔ ان کا دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سینئر لوگوں کو نکال کر اور اگر جونیئر اور کم تجربہ کار کارکنوں کو ان کی ذمہ داری نہ سونپی گئی تو تنخواہوں کا بل بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ ایک بڑے عہدہ پر اگر ایک سینئر صحافی ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ لیتا ہے۔ اس کے ماتحت کام کرنے والا جب

اخباروں میں سازشیں کون کراتا ہے؟

اس کی جگہ سنبھالے گا تو اسے آٹھ سو روپے ملیں گے جو نیئر کو جب ساڑھے پانچ سو چھ سو تنخواہ مل رہی ہوگی۔ اور اسے ایک دم آٹھ سو روپے کا لالچ ملے گا تو وہ اوپر کام کرنے والے ساتھی کی جڑ کیوں نہیں کاٹے گا۔ دوسری طرف مالکان کو اس عہدہ پر کم تنخواہ کے آدمی کو ترقی دینے کے باوجود ۲۰۰ روپے ماہانہ کی فائدہ یا بچت ہوتی ہے۔ یعنی تقریباً ڈھائی ہزار روپے سالانہ دو سو روپے ماہانہ کی اس بچت کو اگر کسی اپرنٹس پر خرچ کر دیا جائے تو کام کی آؤٹ پٹ بڑھ جائے گی۔ مالک یہی سوچتا ہے یہ نہیں سوچتا کہ کام کی آؤٹ پٹ تو بڑھے گی مگر کوالٹی کا کیا بنے گا۔ سو آج کل کے زمانے میں کوالٹی کون دیکھتا ہے۔ اخبار کا نام ایک دفعہ چل گیا۔ سو چل گیا۔ عام پڑھنے والے کوالٹی پر غور بھی نہیں کرتے، تصویر الٹی چھپ جائے، رپورٹنگ بوگس ہو، خبروں کا ترجمہ غلط ہو، سرخیاں ٹھکانے کی نہ ہوں۔ اس کی پرواہ اب نہ قارئین کرتے ہیں اور نہ مالکان اخبارات، قارئین تو یوں پرواہ نہیں کرتے کہ بعض اخبارات کی عادت اور فیشن بن گئے ہیں دوسرا کوئی اور اخبار پڑھیں یا نہ پڑھیں، وہ مخصوص اخبار ضرور پڑھیں گے، اور خریدیں گے، خواہ وہ کیسا ہی TRASH کیوں نہ چھاپے! یہی وجہ ہے کہ نئے صحافیوں میں جو یونیورسٹیوں سے صحافت کی ڈگریاں لے کر آتے ہیں، اور ان حالات میں اخباروں میں کام کرتے ہیں۔ کوئی ایسا نوجوان صحافی ممتاز بن کر نہ ابھر سکا، جیسے برقی، ضمیر صدیقی، سید محمد تقی یا سلطان احمد کہہ سکیں۔

"امروز" میں جب میں نے کام کا دوبارہ آغاز کیا تھا تو اس وقت دفتر کی فضا ہی کچھ اور تھی۔ ویسی فضا مجھے اب تک کسی اخبار میں نہ مل سکی۔ سب لوگ مل جل کر کام کرتے تھے۔ جونیئر کارکن صحافی تاش کھیلتے وقت چاہے سینئر حضرات سے بے تکلف ہو جائیں یا گستاخی کر بیٹھیں مگر کام کرتے وقت ان کی مجال نہیں تھی۔ کہ اپنے سے سینئر کی بات کو مقدم نہ سمجھیں یا اس کی اصلاح کو بے چون و چرا تسلیم نہ کریں۔ یہی ایک بات ایسی تھی۔ جس سے نیا آدمی جلد کام سیکھ جاتا تھا۔ اور چل نکلتا تھا۔ دستور یہ تھا کہ ایک دفعہ نیا رنگروٹ برادری میں آگیا تو کان، نمک میں نمک بن گیا۔ اور نو آموز بھی اپنے آپ کو آج کل کی طرح ایک دم طرم خان نہیں سمجھنے لگتے تھے بلکہ عرصہ تک ہیچمدان ہی رہتے تھے۔ آج کل صحافت کے پیشہ میں قدم دھرتے ہی نو سیکھیا "ہمچو من دیگرے نیست" کا ورد کرنے لگتا ہے یہ ساری باتیں شوق دلچسپی، لگن اور محنت سے پیدا ہوتی ہیں، یک لخت نہیں آجاتیں۔

آصف جیلانی تازہ تازہ یونیورسٹی سے نکل کر "امروز" میں رپورٹنگ پر لگائے گئے تھے۔ حیدر علی خان نے بھی بی کام کرنے کے بعد "امروز" کے دامن میں پناہ لی تھی۔ اب تک وہ اسی دامن سے وابستہ ہیں، اس زمانے میں دونوں ہی پُر جوش نوجوان تھے۔ نظریاتی بحثیں کرنے کا شوق تھا۔ چونکہ مطالعہ کے عادی تھے اس لئے مختلف موضوعات پر گفتگو بھی کر سکتے تھے اور لکھ بھی سکتے تھے۔ مگر میں نے انہیں قاضی ابرار صدیقی اور نصیر حسین مرحوم کی کسی بات کی تردید کرتے نہیں دیکھا۔ کام کے معاملے میں انہوں نے ہمیشہ انہی کی بات کو اہمیت اور وقعت دی۔ اس خوبی کا اظہار کچھ اس طرح ہوتا تھا۔ کہ عام آدمی محسوس ہی نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک وہ دو ایک گھنٹے روز دفتر میں آکر نہ بیٹھے۔ میں ان سب سے جونیئر تھا۔ گریجویشن کئے ہوئے دو ہی سال ہوئے تھے۔ بیشتر حضرات مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے اور تجربہ کار تھے، میں ان سب سے وہ کچھ سیکھنا چاہتا تھا۔ جو مجھے پیش آتا تھا۔ اس لئے ان کا احترام کرتا تھا۔ اور ان کی غلط بات کو بھی صحیح جانتا تھا یہ لوگ بھی برابر کے دوستوں کی طرح مجھ سے برتاؤ کرتے تھے۔ کبھی سر پرستی کے انداز میں کسی نے گفتگو نہیں کی، میری اچھی باتوں کی فراخدلی سے تعریف کی اور غلط باتوں پر بروقت ٹوکا اسی لئے میرا ذہن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں بھی سب کے ساتھ ایک ہی گھر کا فرد خود کو سمجھنے لگا دفتر میں بڑی دوستانہ اور ہمدردانہ فضا تھی۔ کوئی کسی سے خود کو برتر نہیں سمجھتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مجھے آگے بڑھنے کا کھلا راستہ ملتا چلا گیا۔

۱۹۵۹ء کی بات ہے۔ نصیر حسین کا انتقال ہوا تو امروز کے ایڈیٹر قاضی ابرار صدیقی نے بچوں کے صفحہ کی ترتیب بھی میرے سپرد کر دی۔ اور یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کا کوئی الگ محنتانہ نہیں ملے گا۔ یہ میرے لئے بڑی آزمائش تھی۔ میں یہ کام جانتا ہی نہ تھا۔ اور جس سے کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ اس دنیا میں موجود ہی نہیں تھا۔ بچوں کے خطوط، ان کے مسودے، رجسٹر، کوپن، رکنیت، سب تتر بتر تھے۔ کوئی چیز کہاں ملے گی اور کس سے اس کے بارے میں معلوم ہوگا، اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بہرحال اللہ کا نام لے کر نائٹ شفٹ میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ، ایک گھنٹہ روز اس کام کو ٹھیک ٹھاک کرنے میں صرف کرنا پڑا۔ سب سے پہلے میں نے قاضی صاحب سے اس کی اجازت لے لی کہ اب بچوں کے صفحہ کے نگران کی حیثیت سے آپ کے بچپن کا نام "آپو بھیا" نہیں چھپے گا۔ بلکہ "اچھے بھیا" اس صفحہ کے انچارج ہوں گے۔ اپنا یہ نام میں نے بعد میں جب مجھے "انجام" میں بھی بچوں کے صفحہ کی ترتیب کا اضافی کام سنبھالنا پڑا تو یہی "اچھے بھیا" رکھا تھا۔ "اچھے بھیا" کی اس روایت کو آج کل شاہد حسین بخاری "مشرق" میں نبھا رہے ہیں وہ پہلے "امروز" ہی کے بچوں کے صفحہ کے لئے کہانیاں اور مضامین لکھا کرتے تھے۔

دوسری تبدیلی میں نے یہ کی کہ بچوں کی "بزم امروز" کو صرف اخبار تک محدود نہیں رہنے دیا۔ بلکہ اپنی ادارت میں شائع ہونے والے پہلے ہی پرچے میں یہ اعلان کر دیا کہ بزم "امروز" کے اراکین کا ایک جلسہ آئندہ اتوار کو دفتر "امروز" میں ہوگا۔ سب اس میں شرکت کریں۔ اس وقت بزم "امروز" کے اراکین کی تعداد ڈھائی سو تھی۔ ڈیڑھ سو اراکین کراچی سے تعلق رکھتے تھے۔ باقی اندرون سندھ اور دوسرے علاقوں کے تھے میرا خیال تھا کہ کراچی کے ڈیڑھ سو اراکین میں سے تیس چالیس تو آہی جائیں گے۔ پہلے اتوار کو جب بچوں نے اپنے صفحے کی ترتیب بدلی ہوئی دیکھی۔ نئے نگران کا نام دیکھا اور اس کے ساتھ جلسہ میں شرکت کی دعوت عام پڑھی تو بہت سے بچے کو شوق ہوا کہ چل کر دیکھا تھا۔ اخبار کا دفتر کیسا ہوتا ہے اگلے اتوار کو جلسے کے لئے جو بچے جمع ہوئے، ان کی تعداد ۷۵ تھی۔ خاصا غدر مچا۔ اُس روز دن کی شفٹ والوں کو ابرار صاحب کے کمرے میں بیٹھ کر کام کرنا پڑا۔ ہال میں اور کاتبوں کے بڑے کمرے میں بچوں کا راج رہا۔ ان میں چھوٹے بچے بہت کم تھے۔ زیادہ تر نویں دسویں جماعت میں پڑھنے والے بڑی عمروں کے لڑکیاں، لڑکے تھے۔ بزم امروز کا رکن بننے کے لئے زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال کی عمر کی شرط تھی اٹھارہ سال کا بچہ تو نہ ہوا، نوجوان ہی ہوا، چنانچہ بارہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر کی لڑکیاں اور لڑکے یہ تماشے کرآئے تھے کہ اخبار میں کام ہوتے دیکھیں اور اس چیز کو بھی دیکھیں جو ان کا صفحہ مرتب کرتی ہے چنانچہ بہت عرصے کے بعد اس مجمع میں میں نے تقریر کی اور کہا کہ آپ سب لوگ بڑی اچھی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اپنے صفحے کے لئے نئی نئی کہانیاں اور مضامین سوچتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ مگر آپ یہ کام الگ الگ رہ کر کرتے ہیں۔ ایسا کیوں نہ کریں۔ کہ بزم امروز کو پبلک ہالوں اور ہوٹلوں میں لے آئیں۔ اکٹھا ہو کر سوچیں اور مل کر دکھی لوگوں کی ڈھارس بندھانے کی تدبیریں کریں۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا، دو لڑکوں اور دو لڑکیوں نے تقریریں کیں۔ پھر سب کو چائے پلا کر رخصت کر دیا گیا۔ (باقی آئندہ)

جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ نظام

”پرچیوں“ سے ختم نہیں کیا جاسکتا



زبیر حسین

قلمبند و غیر قلم بند تاریخ ارتقائے تہذیب انسانی کے صدیوں پر محیط رنگین اوراق ان گنت جیالوں اور دلیروں کی قربانیوں اور ایثار سے بھرپور ہیں، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ظلم اور جبر کی طاغوتی قوتوں کے خلاف وہ پہلا عظیم انسان کون تھا۔ جس نے بغاوت کی لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جس جیپہ زمین پر بھی شیطانیت پھیلی خود اس کے پہلو کو چیر کر اس کے مقابل نے جنم لیا۔ اس خیر و شر کے مجادلہ میں شیطانیت کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ دلیر ہزار بار مر کر سو ہزار بار جنم لے گا۔ یہاں تک کہ انسانیت اس بلا سے مستقل طور پر نجات نہ حاصل کرلے۔

مظلوم طبقات میں سب سے زیادہ قابل احترام و تقدس سب سے زیادہ دلیر و شجاع، سب سے زیادہ ذی شعور اور نیک اور سب سے زیادہ بلند ہمت اور عالی ظرف شکاگو کے عظیم پرولتاری شہید ہیں۔ جنہوں نے دنیا بھر کے مظلوم محنت کش عوام بالخصوص مزدور طبقہ کے لئے نجات اور آزادی کی جنگ کا، اتحاد، یقین اور تنظیم کی بنیاد پر صف بندی کرنے کے بعد، آغاز کیا۔ آج ان عظیم پرولتاری سپوتوں کو نہ صرف اشتراکی ممالک میں بلکہ ہر ملک میں، دنیا کے چپہ چپہ پر جہاں بھی انسان کی آبادی ہے۔ خراج تحسین اور عقیدت پیش کیا جاتا ہے اور ہمیشہ پیش کیا جاتا رہے گا۔

”پیرس کمیون“ کے عظیم پرولتاری شہیدوں اور دلیروں کو بھی عالمی انقلاب کی جدوجہد میں میر کارواں کی سی حیثیت حاصل ہے ان جیالے انقلابیوں نے تاریخ میں پہلی بار پرولتاریہ کی قوت پر انحصار کرتے ہوئے اقتدار پر قبضہ کرنے کی دلیرانہ و سرفروشانہ جدوجہد کی اور ۷۲ دن تک پیرس پر مزدوروں کا عظیم سرخ پھریرا اپنی تابانیاں بکھیرتا رہا۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء میں تو دنیا کی کایا پلٹ گئی، مظلوم عوام بالخصوص محنت کش انسانوں کا مونس، غم خوار، ہمدرد، سماجی طاقت اور توانائی یعنی دنیا کی پہلی اشتراکی مملکت عظیم لینن اور اس کی پارٹی کے زیر قیادت عالم وجود میں آئی۔ تمام دنیا کے مزدوروں، کسانوں اور مظلوم عوام کے سر فخر و نخوت سے بلند ہوگئے۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں خوشیاں منائی گئیں اور مظلوم عوام کی جدوجہد کی نئے سرے سے داغ بیل ڈالی گئی۔

پھر کیا تھا عالمی سامراج روز بروز کم زور ہوتا گیا۔ عوامی قوتیں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں جنگل کی آگ کے مانند پھیل گئیں، ہر جگہ انقلابی موج در موج آگے بڑھنے لگے شہنشاہوں کا صفید چین عظیم مارکسی رہنما ماؤزے تنگ اور چینی پرولتاری پارٹی کی قیادت میں انگڑائیاں لینے لگا۔ اور ۱۹۴۹ء میں ایک عظیم انقلابی ریلے کے ساتھ پست چین عظیم عوامی جمہوری چین میں تبدیل ہوگیا۔ اشتراکی ”سرخ چین“ مظلوموں اور محنت کشوں کا ہمدرد و مونس!

”انقلاب پیرس“، عظیم اکتوبر اشتراکی انقلاب، عظیم عوامی جمہوری انقلاب چین اور ان تینوں انقلابوں کے ساتھ عظیم پرولتاری ثقافتی انقلاب نے دنیا میں ایک عظیم تغیر، ایک عظیم تبدل پیدا کردیا۔ امریکی سامراج کی قیادت میں بین الاقوامی سامراج روسی سوشل سامراج کی قیادت میں جدید ترمیم پسند اور دنیا بھر کی رجعت پسند قوتیں کامل تباہی کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ ہر جگہ عوام نے ان کے بھیانک عزائم کو پہچان لیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دنیا کو ایک نئے سرے سے تقسیم کرنے کی امریکی و روسی چالوں سے واقف ہوگئے ہیں۔

ہند چینی عوام نے تو عالمی سامراج کو فنا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ یہ عظیم قومیں دنیا بھر کے عوام کی آزادی کی جنگ اپنی سرزمین پر لڑ رہی ہیں، عالمی انقلاب کے لئے ہند چینی عوام کی قربانیاں اور ایثار تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ انقلاب کی زد میں ہیں۔ خصوصاً ایشیا میں تو قومی آزادی کی جنگیں، اشتراکی تحریکیں اور مقامی ظالم آقاؤں کے خلاف عوام کی جدوجہد اپنے شباب پر ہیں، ایشیا ظلم و جبر کی طاغوتی قوتوں کے لئے بالآخر مدفن بنے گا۔ ایشیا کی آزادی کے بعد عالمی سامراج اس قابل نہ ہوگا کہ دنیا کی کسی چھوٹی سے چھوٹی قوم کو بھی اپنی معاشی، سیاسی اور ثقافتی تسلط میں رکھ سکے

ان طبقاتی جنگوں اور تحریکوں نے جہاں دنیا بھر کو اپنے لپیٹ میں لے رکھا ہے تو پاکستان کا بھی ان انقلابی طوفانوں سے متاثر ہونا ایک منطقی و فطری بات ہے۔ پاکستان چہار جانب سے انقلاب کی لپیٹ میں ہے، یہ ہیں اس کے خارجی حالات!

داخلی طور پر بارہ کروڑ عوام الناس قیام پاکستان سے آج تک وحشیانہ استحصال کا شکار ہیں۔ بھوک و افلاس اور ناداری ہم پر سایہ فگن ہے۔ مزدور، کسان، طلباء، دانشور، سرکاری اور غیر سرکاری ملازم چھوٹے تاجر، چھابڑی والے غرضیکہ معدودے چند خاندانوں کے پوری قوم مصائب و آلام کا شکار ہے۔ ایک جانب ملک کی صنعتی دولت ۳۱ خاندانوں کے قبضہ و تصرف میں ہے، دوسری جانب پانچ سو خاندانوں کے پاس ملک کی ۵۰ فیصد زرعی زمینیں ہیں۔ غرض کہ ملک کے بارہ کروڑ عوام کے معاش پر چند خاندانوں کا تسلط ہے۔ بنگال کے بارے میں رجعت پسندوں اور ادنیٰ بورژوائی حلقوں میں عام طور پر ایک محاورہ زبان زد خاص و عام ہے کہ ”بھوکے بنگالی ہمیشہ سے غدار رہے ہیں، اُن کے لئے تو انگریز بہادر نے خوب نسخہ تجویز کیا تھا کہ بنگالیوں کو بھوکا رکھو تو یہ قابو میں آئیں گے اور ہمیں ان کم بختوں کو بھوکا ننگا ہی رکھنا چاہیئے تب ہی ٹھیک رہیں گے۔“

"کسان تحریک" کے اُبھرتے سورج سے جاگیردار خوف زدہ ہیں

اب پاکستانی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے غالباً پوری پاکستانی قوم کے بارے میں یہ انگریز بہادر کا نسخہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ بنگالی ہوں یا سندھی، پنجابی ہوں یا پٹھان بلوچی ہوں یا اردو بولنے والے، سب غریبوں اور تمام قومیتوں کے مظلوم طبقات کو ننگا اور بھوکا رکھو تاکہ یہ ہمارے اقتدار کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں، ہماری لوٹ کھسوٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کر سکیں، اور ہمارے سامنے گردنیں سیدھی نہ کر سکیں۔

رجعت پسندوں کو غالباً اس حقیقت کا ادراک نہیں کہ ارتقاء ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ تاریخ کا دھارا کسی فرد، گروہ یا جماعت کی خواہشات، آرزوؤں اور تمناؤں کے تابع نہیں، جبکہ ہر قوم کے غریب، مظلوم طبقات اپنے اپنے ملکوں میں ظالم و جابر طبقات کے خلاف اپنی فیصلہ کن جنگ میں مصروف ہیں تو پاکستانی قوم کو کیونکر اس طبقاتی کشمکش کے سحر سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

"ہر تاریخی عہد میں اقتصادی پیداوار اور اس سے لازمی طور پر پیدا ہونے والا سماجی ڈھانچہ اس عہد کی سیاسی اور ذہنی تاریخ کے لئے بنیاد کا کام دیتا ہے اور نتیجتاً زمین کی قدیم ساجھے کی ملکیت کے ختم ہونے کے بعد ساری تاریخ طبقاتی کشمکشوں کی تاریخ ہے، ان کش مکشوں کی تاریخ ہے جو لوٹنے والوں اور لٹنے والوں میں حاکم اور محکوم طبقوں میں سماجی ارتقا کی مختلف منزلوں پر ہوتی رہی ہے اور یہ کہ یہ کش مکش ایک ایسی منزل پر پہنچ گئی ہے۔ جہاں لٹنے والا اور مظلوم طبقہ (پرولتاریہ) اپنے لوٹنے والوں اور ظالموں (یعنی بورژوازی) سے اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے ساتھ پورے سماج کو ہمیشہ کے لئے لوٹ کھسوٹ، ظلم اور طبقاتی کش مکشوں سے چھٹکارا نہ دلائے۔"

۱۹۵۲ء میں بنگال میں زبان کے مسئلہ پر عوام کا قتل عام ۱۹۵۳ء میں کراچی میں طالب علموں کا قتل عام ۱۹۶۳ء میں کراچی میں مزدوروں کا قتل عام ۱۹۶۸ء میں عظیم عوامی ابھار کے دور میں ملک بھر میں عوام الناس کا وسیع بنیادوں پر قتل عام اور ۱۹۷۱ء کے واقعات و حادثات نے پاکستان کی گذشتہ چوبیس سالہ تاریخ میں دور رس اور گہرے اثرات و منظرات چھوڑے ہیں۔ پاکستانی قوم جستوں اور چھلانگوں میں ان مرحلوں سے گذر رہی ہے جس کے لئے دوسری قوتوں کو ایک زمانہ درکار تھا ۱۹۶۸ء کی عظیم عوامی تحریک جس نے ایوب شاہی کے قلعہ معلّٰی کو پاش پاش کر دیا کے بعد ملک میں سیاسی تگ و دو جاری رہی۔ عوام کے عظیم سمندر میں جوار بھاٹا کی سی کیفیت تھی۔ کروڑوں عوام الناس کا مزاج انقلابی ہو چکا تھا۔ انقلاب کی خواہش ہر چہرے پر نمایاں تھی۔ کہ ملک کے سیاسی افق پر رجعت پسندی کی کثافت پھیلی ہوئی تھی لیکن عوام نے استصواب رائے میں ترقی پسند جماعتوں کو منتخب کر کے رجعت پسند جماعتوں کے منہ پر کالک مل دی، انتہا پسند دائیں بازو کی جماعتیں تو درکنار مسلم لیگ جیسی جماعتیں بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں

عوام نے "جو بوتے وہی کھائے" کے نعرہ پر ووٹ دیا محنت کشوں نے بنیادی اور اہم صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے، زرعی زمینوں کو کسانوں میں تقسیم کرنے، دولت کی مساوی تقسیم بے روزگاری کے خاتمہ، خوراک، مکان اور لباس کی سہولتیں مہیا کرنے، تعلیم اور علاج کا بندوبست کرنے کے پروگرام کے حق میں واضح اکثریت سے اپنا فیصلہ دے دیا۔

انتخابات میں عوام نے رجعت پسندی کے لات و منات کو منہ کے بل گرا دیا، جو بیس سال سے عوام کا خون چوسنے والی جونکوں کو ایک ہی لمحہ میں جھٹک دیا گیا۔ بڑے بڑے ظالم و جابر اپنا منہ پیٹنے لگے۔ عوام نے اپنے چہرے پر پڑے ہوئے عاجزی و انکساری کا نقاب الٹ دیا اور اپنی صدیوں سے جھکی ہوئی گردنوں کو سیدھا کر لیا۔

عام انتخابات میں ترقی پسند جماعتوں کی فتح جہاں عوام کے سیاسی شعور کا ثبوت تھا وہاں یہ نیم پختگی کی بھی علامت تھی، عوام کا سیاسی شعور اس حد تک بلند نہ ہوا تھا کہ وہ سمجھ پاتے

"زندگی" "ایشیا" اور جانے کس کس کے ایڈیٹروں کی نیند حرام ہو گئی

کہ جاگیردارانہ و سرمایہ دارانہ نظام کو پرچیوں کے استعمال سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ سیاسی اقتدار پر قابض جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کو سمجھا بجھا کر منت سماجت کر کے اور لیلیٰ و مجنوں کی کہانیاں سنا کر نہیں ہٹایا جا سکتا۔ انقلاب نہ تو دعوت طعام ہے اور نہ مضمون لکھنا، نہ تصویر بنانا اور نہ کشیدہ کاری کرنا، یہ اس قدر لطیف، اتنا پرسکون اور مؤدب، اتنا معتدل، رحم دل شائستہ، محتاط اور عالی ظرف نہیں ہو سکتا"۔

انتخابات کے بعد جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے مزدوروں اور کسانوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔ ہر مل، فیکٹری اور کارخانے میں مزدوروں کی عام چھانٹیاں کی گئیں اور کھیتوں سے کسانوں کی بیدخلیاں ہونے لگیں، چہار جانب سے عوام پر ظلم و ستم کے کاری وار ہونے لگے، ظالم جاگیرداروں نے اپنے طبقاتی دشمنوں کا وحشیانہ قتل عام شروع کر دیا۔ نوکر شاہی بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ مل کر غریب عوام پر ظلم ڈھانے لگی یوں تو طبقاتی کش مکش پورے ملک میں شدید طور پر ہو رہی تھی، وادی مہران سے لے کر وادی خیبر تک، بنگال سے لے کر بلوچستان تک، ہر جگہ حق و باطل کا مجادلہ ہو رہا تھا۔ لیکن شمال مغربی صوبہ سرحد میں جاگیرداروں کے خلاف مزارعین اور کھیت مزدوروں کی شاندار جدوجہد نے اس علاقے کو ملک کے تمام حصوں میں طبقاتی کشمکش کے نکتہ نظر سے کافی نمایاں کر دیا

صوبہ سرحد میں کیا ہو رہا ہے؟

گو پچھلے تین سال سے صوبے میں مزارعین پر خوانین (جاگیرداروں) نے زندگی دوبھر کر دی ہے۔ خوانین سرحد میں جبری طور پر کسانوں کو ان کی زمینوں سے بیدخل کر رہے ہیں مزارعین عورتوں کی عصمتوں کو دن دہاڑے لوٹا جا رہا ہے۔ اغوا اور قتل و غارتگری تو روز کا معمول بن گیا ہے۔ لیکن سرحد کے کسانوں نے اپنی تنظیم کیونکہ کی ہوئی تھی اور انہیں خوش قسمتی سے مزدور کسان قیادت حاصل تھی اس لئے انہوں نے خوانین سرحد کی دہشت گردی کی مدافعت کا آغاز کر دیا۔ جگہ جگہ مزدور کسان تنظیمیں کھڑی ہونے لگیں اور انہوں نے مزدور کسان پارٹی کی قیادت میں جاگیردارانہ استبداد کے خلاف دلیرانہ جدوجہد کی۔

لیکن اخباری صنعت کے وڈیروں نے کسان تحریک کو دبانے اور اسے عوام الناس کی نظروں سے اوجھل رکھنے کی خاطر بہت سی مکروہ چالیں کھیلیں، کسان جدوجہد کی خبروں کا ہمیشہ سے بائیکاٹ کیا گیا۔ کسانوں کی عورتیں اغوا ہوتی رہیں، کسان کارکنوں کو قتل کیا جاتا رہا۔ کسانوں اور ان کی عورتوں سے جبری بیگار لیا جاتا رہا۔ ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، بیدخلیاں اپنے شباب پر جاری رہیں۔ لیکن اخبارات

کسانوں کے خلاف تعزیری پولیس کے اخراجات بھی کسان برداشت کریں

اور رسل و رسائل سرمایہ دار جاگیردار طبقات کی عیاشیوں کی قصہ و کہانیوں سے بھرتے ہوتے تھے۔ مزدوروں اور کسانوں کی قوت کو بنیاد بنا کر سودے بازی کی خبریں تک تو اخبارات کی زینت بنیں لیکن مزدور کسان قوت اور ان کی جدوجہد کو اخبارات میں بالکل جگہ نہ دی گئی۔

لیکن اب پاکستان کے جاگیرداروں اور رجعت پسند حلقوں پر ایک خطرناک بھوت منڈلا رہا ہے۔ کسان انقلاب کا خطرناک بھوت، اس بھوت کو اتارنے کے لئے تمام رجعت پسندوں اور ہر پارٹی میں شامل جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے ایک "مقدس گٹھ جوڑ" کر لیا ہے۔

امریکی مفادات کے ترجمان ہفت روزہ "زندگی" نے اپنی دو اشاعتوں میں بعنوان "تنگی میں خوانین پر زمین تنگ ہو گئی" اور "سرحد میں خوانین اور کسانوں میں جنگ" میں کسان تحریک پر جارحانہ حملے کئے ہیں۔ مزدور کسان پارٹی پر پابندی کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ اور تجلے نے کیا کیا بہتان طرازیاں نہ کی گئیں جماعت اسلامی جیسی۔ کٹر فرقہ پرست تنظیم کے اشاعتی ترجمان "ایشیا" نے بھی مزدور کسان پارٹی اور اس کی قیادت اور کسان تحریک پر نہایت بودے اور عاجلانہ حملے کئے ہیں، اور اب اخباری صنعت کے وڈیروں نے بھی اپنے اپنے اخبارات میں کسان تحریک کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا ہے۔

"سرحد میں کسان بغاوت" "چارسدہ میں پولیس اور کسانوں میں مسلح تصادم"۔ "مزدور کسان پارٹی پر پابندی عائد کرو"۔ یہ ہیں آج کل سرمایہ داروں کے اخبارات کی سرخیاں۔

لیکن دشمن کی طرف سے حملے کئے جانا بری بات نہیں اچھی بات ہے اب ان مکارانہ حملوں سے اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ۔

۱۔ کسان تحریک حقیقتاً ایک ٹھوس وجود کی شکل میں ان ظالموں کے سروں پر چھائی ہوئی ہے

۲۔ اب ظالم جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے بھی اس کی طاقت کا لوہا مان لیا ہے۔

۳۔ اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی ملی بھگت کسان تحریک کو تشدد کے ذریعے ختم کرنا چاہتی ہے؟

دراصل حقیقت کیا ہے

"بہرحال وادی پشاور میں نکسل باڑی طرز کی جدوجہد کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ بڑے تدبر، غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ فکر کا متقضی ہے۔ کسی قسم کی عاقبت نااندیشی اسے خانہ جنگی میں تبدیل کر سکتی ہے۔" "شر پسند عناصر کے خلاف مناسب اور فوری اقدام کیا جائے"۔ "کسانوں کو اس کمیونسٹ قیادت سے نجات دلائی جائے۔ جس نے وادی پشاور کے کسانوں کو خونیں تصادم، مستقل خوف و ہراس اور ہر وقت بدخلی کے خطرہ کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔" (ہفت روزہ زندگی!)

"دراصل مزدور کسان پارٹی کے بھیس میں کمیونسٹ پارٹی کا احیار کیا گیا ہے۔ جس پر پاکستان میں پابندی بھی موجود ہے"۔ (ہفت روزہ زندگی)

انتخابات کی مخالفت اور موجودہ مارشل لاء کے متعلق ان نظریات کی کھلم کھلا تبلیغ کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مارشل لاء کے ضوابط کے تحت ایسی تنظیم کے جاری رہنے کا قانونی جواز موجود ہے؟ اس بارے میں مارشل لاء حکام کی سے بروقت اور فوری اقدام کی ضرورت ہے

کراچی اور لاہور کے رہنے والے ان علاقوں میں ظلم کا تصور بھی نہیں کر سکتے

اس سلسلے میں لیت و لعل کسی طرح بھی اچھے نتائج کا پیش خیمہ ثابت نہیں ہو سکتا"۔ (ہفت روزہ زندگی)

مندرجہ بالا اقتباسات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک طرف تو رجعت پسند حلقے اور سیاسی جماعتیں اس تحریک سے کسی حد تک خوف و ہراس محسوس کر رہی ہیں۔ تو دوسری جانب ان خیالات سے جن کا ذکر کیا گیا ہے، رجعت پسندوں کے عزائم کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے

رجعت پسند حلقوں کا مطالبہ اور خواہش ہے کہ سرحد کسان تحریک پر تشدد کا ایسا کاری وار ہونا چاہیئے کہ محنت کش انسانوں کا حجم غفیر ایک عرصے تک دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ نکسل باڑی تحریک کا ہوا کھڑا کر کے وہ حکومت کو قائل کر رہے ہیں کہ اب کسانوں کے وحشیانہ قتل عام کے منصوبے پر عمل کیا جانا چاہیئے۔

ان خیالات کے برعکس جو رجعت پسند ہمارے بارے میں رکھتے ہیں، تمام عوام دوست، محب وطن اور ترقی پسند قوتوں کا الگ اپنا زاویہ نگاہ ہے۔

خوانین کا پروپیگنڈہ

"خوانین سرحد نے مظلوم مزارعین کے بارے میں گھٹیا پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ "کسانوں نے ان کے بنگلوں، جاگیروں اور فصلوں کا گھیراؤ کر لیا ہے اور یہ کہ ہم خانزادگان پشاور پولیس کی حفاظتی گاڑیوں میں اپنی خواتین کے برقعے پہن کر آتے جاتے ہیں ہم سے سارے اسلحہ جات زبردستی کسانوں نے چھین لئے ہیں، ہم بے یار و مددگار، کسانوں کے رحم و کرم پر گھیراؤ میں پھنسے ہوئے ہیں"۔

خوانین کے پروپیگنڈے کے برعکس پشاور، چارسدہ، مردان مالاکنڈ ایجنسی، سوات، دیر اور چترال کے علاقوں میں خوانین نے اپنے سینکڑوں مسلح غنڈوں، ملازموں اور نوکر شاہی کی مشترکہ قوت سے اپنے طبقاتی دشمنوں کو گھائل کرنا شروع کر دیا ہے۔

آج پشاور، چارسدہ، مردان، مالاکنڈ ایجنسی، سوات، دیر اور چترال کے کسانوں کے جسم خون میں لت پت ہیں، ان علاقوں میں جابر خوانین صدیوں سے زمینوں پر کاشت کرنے والے مزارعین کو یک جنبش ابرو بیدخل کر رہے ہیں، کسانوں اور ان کی خوانین سے جبری بیگار لی جا رہی ہے، خوانین اپنے جانوروں کے لئے کسانوں سے زبردستی چارہ کٹوا رہے ہیں۔ کسان خواتین جبراً ان کے گھروں میں برتن صاف کرتی اور جھاڑو دیتی ہیں، ان کے غلے کو صاف کرتی ہیں، غلے کو پیستی ہیں اور پھر روٹیاں پکاتی ہیں، دن بھر کی سخت جان توڑ محنت کے بعد کسانوں کو چوکیداری کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔

خوانین کے خلاف اگر کسان فرد جرم عائد کریں تو فہرست اس قدر طویل ہو گی کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی ہم عوام کی عدالت میں چند واقعات پیش کریں گے اور اگر کبھی عوامی عدالت نے مزارعین پر جاگیرداروں کے مظالم کا محاسبہ کیا تو ہم مکمل متن کے ساتھ خوانین کے خلاف قرطاس ابیض شائع کریں گے

۱۔ ضلع مردان کے شمالی علاقہ رستم میں مدتوں کے ستم رسیدہ کسانوں اور مزدوروں نے خوانین کے لئے بیگار کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کافی عرصہ سے نہ تو وہ خان کے جانوروں کے لئے

ظلم کوٹ کی دو تہائی زمینیں قرق کر دی گئیں

مفت چارہ کاٹتے ہیں، نہ ہی ان کی خواتین خوانین کے گھروں میں جھاڑو دیتی ہیں یا ان کے غلّے کو صاف کرتی ہیں یا پیسوائی یا روٹی پکاتی ہیں۔ کسانوں نے چوکیداری کرنے سے بھی انکار کر دیا ہے عید لبقر عید کی نماز بھی کسانوں نے خوانین کی مسجدوں میں نہیں پڑھی

ان جرائم کی پاداش میں کسانوں کو وحشیانہ حملوں کا شکار ہونا پڑا ہے۔ اس کا آغاز مورخہ ۸ فروری ۱۹۷۰ء کو موضع قمر گیبئے تھانہ رستم ضلع مردان میں غنڈے اور مفرور پرویز خان کی سرکردگی میں جمع ہو کر مزدور کسان کارکن شیریں زادہ کے گھر گئے اس پر وحشیانہ فائرنگ کی جس میں شیریں زادہ سخت زخمی ہو گئے گولی شیریں زادہ کے پیروں پر لگی۔

۲۔ اپریل مئی ۱۹۷۰ء میں سوات میں ایک سو پچاس کسان کارکنوں و رہنماؤں کو ان مظالم کے خلاف جدوجہد کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ ان کسانوں پر ایک ڈیڑھ سال سے تعزیری پولیس بٹھائی گئی ہے جن کے جملہ اخراجات بھی کسانوں کو ہی ادا کرنے پڑتے ہیں؛

کسان عوام سے خوانین اور انتظامیہ کا مطالبہ ہے کہ وہ خوانین کے حق میں اپنی آبائی آراضیات سے دستبرداری کے کاغذات پر دستخط کر دیں، خوانین کو ناجائز قلنگ ادا کریں اور ان کے لئے مختلف قسم کی بیگار بھی کریں۔

۳۔ سوات میں موضع "قلاگئی" کے کسانوں کے گھروں پر کسانوں کی غیر حاضری میں خوانین کے غنڈوں نے حملہ بھی کیا جس میں قریباً ایک درجن خوانین کے ہاتھ پاؤں بھی توڑ دیئے گئے۔

سوات میں گرفتار کسان رہنماؤں میں سے چند نام مندرجہ ذیل ہیں، عبدالرشید، فضل مالک، فراموش جان، ملا جان اور مرے بابا سکنہ سربانڈہ تحصیل بانڈہ، نوشاد خان، اسلمیر خان اور محمد عزیز سکنہ جامہ تحصیل منڈا، ملا خان اور بانڈہ خان سکنہ افغا ڈھیر، شکلا خان اور خان عباس سکنہ کوزخرہ

۴۔ مالاکنڈ ایجنسی کے دیہات، ظلم کوٹ، کنڈرو، دتے سرڈ لوریاں، اپیرانٹرہ، ایوگے، سہرمئی، دونگی اور پنیچنیڑ کا علاقہ آج حقیقت میں ظلم کوٹ بن گئے ہیں۔

یہاں کا مسئلہ یہ ہے کہ انگریزوں نے حریت پسندوں اور محب وطن افراد کے خلاف کارروائی کرنے اور انگریزوں کے ساتھ انتہائی وفاداری کرنے کے صلے میں خوانین کو مذکورہ دیہات کے کسانوں سے ۱/۴ حصہ بٹائی وصول کرنے میں مدد دی تھی۔ جو اب ارباب حل و عقد اور وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کی امداد و اعانت سے بڑھا کر ۱/۳ حصہ کر دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مظلوم کسان عوام کے احتجاج کی پرواہ نہ کی گئی۔ بلکہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے

بٹائی بحصہ سوم کی جبری وصولی کے بعد فوراً ظلم کوٹ کے چار سرکردہ افراد مسمیان شیر محمد، سید اعظم، شیر اللہ اور عمر داد کو زیر دفعہ ۴۱/۴۰ سرحدی "حفظ امن" کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

۵۔ دوسرا حملہ:۔ ایک خان، نیک عمل خان نے کسانوں کو جبری بیدخلی کی دھمکی دی تو انتظامیہ نے پچاس نفری پولیس ظلم کوٹ بھیج دی، چونکہ دیر، سوات، چترال اور مالاکنڈ ایجنسی میں پولیس کی تعیناتی کے نتائج سے عوام بے خبر نہ تھے، اس لئے انہوں نے احتجاج کیا، مگر بے سود، ہوم سیکرٹری تک پہنچے مگر پولیس نہ ہٹائی گئی۔

۶۔ تیسرا حملہ:۔ خوانین ظلم کوٹ کے نواحی گاؤں پنیچنیڑ کی اراضیات پر ٹریکٹر لے آئے اس دن گاؤں میں مرد موجود نہ تھے اس لئے مردوں کی غیر حاضری میں خوانین نے کسانوں کی کھڑی فصل پر ٹریکٹر سے ہل چلا دیا۔

۷۔ اب کہ پھر انتظامیہ حرکت میں آگئی انہوں نے کسانوں کو حکم دیا کہ وہ زمینوں کے نزدیک نہ آئیں، اس وجہ سے مکئی

۴۰ ہزار کسانوں نے

خوانین سرحد کے

سماجی بائیکاٹ کا

اعلان کر دیا

کی فصل بوئی نہ جا سکی، بالآخر انہوں نے ۱۰ اگست ۱۹۷۰ء کو حکم دیا اور ظلم کوٹ کی ۲/۳ حصہ اراضیات قرق کر دیں۔ ۲/۳ حصہ خوانین کو دے دی اور حکم دیا کہ کسان اس کے نزدیک بھی نہ جائیں۔

۸۔ ۱۱ کو ڈ ایجنسی میں بلیئ کے مقام پر اگست ۱۹۷۰ء میں کسان کارکن سی خان گل پر خوانین اور انتظامیہ نے ظلم کیا اور مارا پیٹا۔ خان گل کو خان زانوشش کی شرارت پر صوبیدار لیوی بلیئ پوسٹ نے لاٹھیوں اور بندوق کی نال سے اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور جب انہیں ہوش آیا تو اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے اپنے مکان میں مویشیوں کی گرمی سردی سے بچانے کے لئے ایک کمرہ تیار کر لیا تھا

۹۔ ان حملوں سے پہلے فروری میں مالاکنڈ میں خوانین نے مزدور کسان پارٹی کے ہمدرد کسانوں پر حملہ کر دیا۔ حملہ کرنے والے پانچ چھ سو غنڈے تھے، لیکن کسانوں نے اس حملے کا جواب اپنے اتحاد اور تنظیم سے دیا اور حملے کو پسپا کر دیا۔

۱۰۔ ۸ فروری کو مالاکنڈ ایجنسی کے پولیٹیکل ایجنٹ کا بھانجہ پرویز خان، خوانین کے مسلح غنڈوں کی قیادت کرتا ہوا، علاقہ رستم میں کسانوں پر حملہ آور ہوا جس میں پرویز خان اور اس کا ایک مفرور ملزم ساتھی ہلاک ہو گئے تھے۔

مندرجہ بالا واقعات روزانہ جنم لینے والے ہزاروں واقعات میں سے صرف دس ہیں۔ لیکن ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے (خصوصاً کراچی، لاہور جیسے شہروں میں رہنے والے لوگ تو ان علاقوں کا دورہ خواب میں بھی کرنے سے خوف زدہ ہو جائیں گے)، وہ کسان کارکنان جو چوبیس گھنٹے اپنے سروں پر منڈلاتی اور رقص کرتی موت کو محسوس کرتے رہتے ہیں اور اس کے باوجود خاک و خون کے سمندر سے گزرنے کے بعد کروڑوں کسان عوام کو منظم کرنے کا عہد و عزم کئے ہوئے قابل تقلید ہیں

ہشت نگر کسان تحریک

یوں تو ہشت نگر کے کسان تقسیم برصغیر سے قبل ہی سے انگریزوں سے اور ان کے پالتو کتوں یعنی جاگیرداروں سے نبرد آزما رہے ہیں، ڈاکٹر خان صاحب کے دور حکومت میں بھی ہشت نگر کے کسانوں نے دلیرانہ جدوجہد کی تھی اور قیوم خان معافی والا کے دور وزارت اعظمیٰ میں بھی کسانوں نے خوانین کے خلاف زبردست جدوجہد کی تھی۔ جس کو قیوم خان نے مکرو فریب سے کام لے کر وقتی طور پر دبانے کی کوشش کی اور کسان عوام پر زور دیا کہ وہ مزدور کسان رہنماؤں کو ہمارے حوالے کر دیں کیونکہ یہ لوگ انتشار پسند اور کمیونسٹ ہیں۔ اگر کسان ان رہنماؤں کو گرفتار کرا دیں گے تو کسانوں کے مطالبات کو تسلیم کر لیا جائے گا"۔

کسان عوام نے وقتی طور پر سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی کی وجہ سے قیوم خان کے اصلی روپ کو نہ دیکھتے ہوئے سمجھوتے کی کوشش کی اور کسان رہنماؤں سے اپیل کی کہ وہ کہیں اور چلے جائیں، کسان رہنماؤں نے مصلحت "وقتی" اور مناسب حکمت عملی سے کام لے کر روپوش ہو گئے، قیوم خان نے جب کسان عوام



جنگی ڈھول بجا اور ہزاروں کسان جدوجہد کے میدان میں اُتر آئے

کے اپال کو بیٹھتے دیکھا تو اپنے وعدوں سے پھر گیا اور محنت کشوں پر وہ ظلم ڈھائے کہ آسمان تک پناہ ڈھونڈنے لگا

اس دوران مزدور کسان کارکن تندہی جانفشانی اور بلند ہمتی کے ساتھ جدوجہد کرتے رہے کسان عوام نے خود اپنے ذاتی تجربہ سے سبق حاصل کیا۔ جس کے بعد کسان عوام اپنے ساتھیوں اور رہنماؤں کی سیاسی بصیرت اور بے لوث خدمت پر اعتماد کرنے لگے۔

مزدور کسان کارکنوں نے اس ہدایت کو کہ ہمیں عوام کی فلاح و بہبود کی طرف گہری توجہ دینی چاہیئے۔ زمین اور محنت کے مسائل سے لے کر ایندھن، چاول، کھانا پکانے کے تیل اور نمک کے مسائل تک عوام کی فلاح و بہبود سے متعلق تمام مسائل ہمارے ایجنڈے میں شامل ہونے چاہئیں۔ ہمیں ان پر بحث کرنی چاہیئے، فیصلے کرنے چاہئیں، ان پر عمل کرنا چاہیئے۔ اور نتائج کی جانچ کرنی چاہیئے۔ ہمیں عوام کو یہ محسوس کرانا چاہیئے۔ کہ ہم ان کے مفادات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور ان کے ہم دم ہیں" اچھی طرح ذہن نشین کیا اور ہشت نگر اور دوسرے علاقوں میں اس ہدایت کا ٹھوس اطلاق کیا۔ انہوں نے خانگی مسائل سے لے کر معاشی اور سیاسی مسائل تک ہر جگہ اور ہر موقع پر کسان عوام کی مثبت طور پر رہنمائی کے فرائض سر انجام دیئے۔

۱۹۶۸ء میں جب ملک کے عوام جبر و استبداد کی طاغوتی قوتوں کے خلاف صف بند ہو گئے تو ہشت نگر کے کسانوں نے بھی اپنی روایتی دلیری اور جوانمردی کے ساتھ عوامی تحریک میں اپنا بھرپور حصہ ادا کیا اور اپنے مسائل کو حل کرانے کے لئے میدان عمل میں سب سے آگے بڑھ گئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ لائل پور میں مولانا عبدالحمید خان بھاشانی نے کسان کانفرنس سے خطاب کیا اور ۱۹ اپریل کو ملک بھر کے مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور دانشوروں سے اپیل کی کہ یوم مطالبات منایا جائے۔

مزدور کسان کارکنان نے یوں تو سندھ، پنجاب اور سرحد میں ہر جگہ اس دن کو نہایت اہمیت کے ساتھ منایا۔ لیکن ہشت نگر کے دوستوں نے تحریک کا آغاز ۱۳ اپریل ۱۹۷۰ء کو موضع خنجری سے کیا جہاں پر علاقے کے کسان رہنماؤں نے مل کر ۱۹ اپریل کو "یوم مطالبات" منانے کا فیصلہ کیا۔ فیصلے کے تحت ۱۹ اپریل کو موضع منڈنی میں کسانوں کا عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس میں لگ بھگ چالیس ہزار کسانوں نے شرکت کی۔ جلسہ سے دوسرے کسان رہنماؤں کے علاوہ افضل بنگش

اور سابق میجر اسحاق محمد نے خطاب کیا۔

اس کسان ریلی کی انفرادیت یہ تھی کہ وہاں کسانوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ خوانین سرحد کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے گا۔ کوئی مزارع یا کسان کی عورت اور بچے خوانین کے یہاں بیگار نہیں کریں گے، کسان عورتیں خوانین سرحد کے خانگی کام انجام نہ دیں گی، کسان خوانین کے نہ مردے اُٹھائیں گے اور نہ قبر کھودنے کا کام کریں گے، نہ تو بیاہ شادی کی رسموں میں خوانین کا کام کریں گے یا شرکت کریں گے، اور نہ ہی موت اور غموں کے موقعوں پر۔

اس کے علاوہ یہ کہ کسان اور کھیت مزدور مل کر طبقاتی یگانگت سے خوانین کی جبری بے دخلیوں کے خلاف موثر جدوجہد کریں گے، کسان اپنے آپس کے تنازعات کو خود ہی اپنی قائم کی ہوئی عوامی کمیٹیوں کے تحت طے کریں گے اور پولیس، تھانہ اور کچہری کے پاس نہیں جائیں گے، اگر خان اپنے مزارعین کو بے دخل کرنے کے بعد دوسرے کسانوں سے زمین کاشت کرانے کی کوشش کرے تو تمام

قیوم لیگی جاگیردار نے
ووٹ نہ دینے پر
اپنے مزارع کو شہید کر دیا

کسان اور کھیت مزدور اس کی زمین پر کاشت کا بائیکاٹ کریں گے۔

مزید یہ کہ کسان عوام اپنے کھیت مزدور بھائیوں کی اجرت میں یومیہ چار آنے کا اضافہ کریں گے، سرحد میں اکثر خوشحال کسان اجارہ پر زمین خوانین سے لیتے ہیں اور اس پر کچھ کھیت مزدوروں کو اجرت پر رکھ کر اور ان کے ساتھ مل کر کاشتکاری کرتے ہیں۔

کسانوں کا اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرنا تھا: کہ جاگیردارانہ دہشت گردی کا بازار گرم کر دیا گیا۔ کسان کارکنوں پر قہر نازل ہونے لگے اور کسان عوام کی جبری بے دخلیوں کا تانتا بندھ گیا۔

شمالی ہشت نگر میں خوانین کے مظالم کی داستان

۱۔ ۱۶ مئی ۱۹۷۰ء کو موضع "جانکو" کے شیخ سردار کے گھر پر خان رجاگیردار نے ساڑھے چار ہزار مسلح غنڈوں کے ساتھ حملہ کیا، علاقہ کے ڈی ایس پی، علاقہ کے مجسٹریٹ اور علاقہ کے ایس ایچ او موقع پر موجود تھے، ان کے روبرو شیخ سردار کے گھر کو لوٹا گیا۔ اس کے گھر سے دو لائسنس دار بندوقیں، دو ہزار پانچ سو روپے نقد اور کچھ زیورات خان کا غنڈہ دستہ گیر یار محمد لے گیا۔ شیخ سردار کی کوئی فریاد نہ سنی گئی۔ اس رپورٹ تک نہ درج کی گئی، اُلٹا شیخ سردار کو زبردستی بے دخل کیا گیا۔ حالانکہ شیخ سردار کا اب بھی خان کے پاس سولہ ہزار روپے پیشگی اجارہ پڑا ہوا ہے۔

۲۔ ۲۰ مئی کو موضع کوز بہرام ڈیری میں ایک جاگیردار نے روشنائی کے پستول سے کھلیان میں آگ لگانے کی کوشش کی جو ہیبت کی وجہ سے گنے کے پوگ کے ڈھیر کو لگ گئی۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر جاگیردار کے ڈھائی سو بدمعاش مورچہ سنبھالے ہوئے بیٹھے تھے۔ تھانے میں رپورٹ درج کرائی گئی، خان کے بنگلے سے روشنائی کے کارتوس کا کھوکا بھی برآمد ہوا۔ دوسرا خالی کھوکا نزدیک کی ایک آٹا مشین سے برآمد ہوا، آٹا مشین جماعت اسلامی کے ایک کارکن کی ملکیت ہے۔ لیکن خان اور جماعت اسلامی والے کو ابھی تک کچھ نہیں کہا گیا۔

۳۔ ۳۰ مئی کو اسی خان نے مستی زدہ ور کسان کے گھر کو آگ لگا دی، پولیس نے رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا۔

۴۔ اس تحریک پر سب سے بڑا حملہ ۱۶، ۱۷ جون ۱۹۷۰ء کو فخر عالم خان نے کیا۔ اس حملے میں خان نے محال بہرام ڈھیری کے علاقہ کا گھیراؤ کرنے اور کھلیانوں سے گندم زبردستی اٹھا کر لے جانے کی کوشش کی، اس بڑے حملے میں سینکڑوں پولیس والوں نے خوانین کی مدد کی۔ کسان عوام خوانین کی سازشوں اور انتظامیہ سے ان کے گٹھ جوڑ سے بخوبی واقف تھے انہوں نے بڑے حملے کو روکنے اور اپنا دفاع کرنے کی خاطر جنگی ڈھول بجایا جس کی آواز پر شمالی ہشت نگر کے طول و عرض سے کسان جدوجہد کے میدان میں اُتر آئے۔

خوانین کے بڑھتے ہوئے لشکر کو جب ہمارے بہادر کسان محمد شاہ علمی نے للکارا تو خوانین کے غنڈے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے اور اس طرح سے کسانوں نے خوانین کے

۴۰ غریب معمر سفید ریش کسانوں پر ڈاکہ زنی کے الزامات

گھیراؤ کو توڑ کر خوانین پر ایک دفعہ پھر اپنے اتحاد اور تنظیم کی برتری ثابت کی۔

۵۔ ۱۸ جون کو صوبہ سرحد کے تمام خوانین نے جس میں تمام سیاسی پارٹیوں کے خان یعنی جاگیردار لیڈران بھی شامل تھے، نے شمالی ہشت نگر کے خوانین کی مدد کے لئے مسلح غنڈے بھیجے، پولیس موقع پر موجود تھی، پروگرام کے مطابق خوانین غلے کے انباروں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن کسانوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ اس جرم کی پاداش میں پولیس نے چالیس غریب معمر سفید ریش کسانوں پر ڈاکہ زنی اور رہزنی کے پرچے چاک کئے سینکڑوں کو بلاوجہ پابند ضمانت کیا اور ان کی بے عزتی کی گئی۔

جن معمر بزرگ کسانوں پر مقدمات قائم کئے گئے ان میں سے کسی کی عمر بھی اسی سال سے کم نہیں، گرفتار کسانوں میں ایک بزرگ فیروز کاکا کی نظر اتنی کمزور ہے کہ وہ بغیر سہارے کے راستے پر بھی نہیں چل سکتے۔ دوسرے بزرگ کسان کا ایک ہاتھ بالکل بیکار ہے، بھلا ایسے لوگ بھی اتنے سینہ زور خوانین سے زبردستی بندوقیں چھین سکتے ہیں

لیکن ۸ جون ۱۹۷۰ء کسانوں کی زندگی میں ایک یادگار دن ہو گیا۔ کیونکہ اس دن کسانوں نے عوامی جمہوریت کی ایک جھلک دیکھ لی۔ اس دن تمام شمالی ہشت نگر میں عوامی راج قائم ہوا۔ عوام کے دلوں سے پشت ہا پشت سے جمع شدہ ظلم، جبر تشدد اور ستم کی گرد دھل گئی اور شمالی ہشت نگر کی سرزمین مخلص، ایماندار اور محنتی عوام کے لئے دارالامان بن گئی۔ جب کہ چوروں، ڈاکوؤں، خان خوانین اور دوسرے ظالموں اور پولیس کے مخبروں اور دلالوں کے لئے یہاں زندگی گذارنا مشکل ہو گئی اور انکو روپوش اور فرار ہونا پڑا۔

۶۔ ۲۷، ۲۸، ۲۹ جون ۱۹۷۰ء کو بہر موضع کوچکے میں خوانین نے پولیس کی مدد سے غریب کسانوں کو زمینوں اور گھروں سے ناجائز طور پر بے دخل کیا۔ ان کے کھیتوں کو قبضے میں لے لیا گیا اور گھروں کو تالے لگا دیئے گئے اسی روز موضع نیران کلی میں حاجی محمد یوسف کو خان نے غیر قانونی طور پر بے دخل کر دیا۔

جولائی ۱۹۷۰ء میں کھیت مزدوروں نے مزارعین کی جبری بے دخلی کے خلاف خوانین کی خود کاشت زمین پر کام کرنا چھوڑ دیا۔ یہ فیصلہ محال چل علاقہ تنگی میں شمالی ہشت نگر کے کھیت مزدوروں کے ایک اجلاس میں کیا گیا۔

۷۔ اب خوانین نے کسانوں کو بے دخل کرنے کے لئے نئے حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔ مورخہ ۱۳ جولائی کو دوپہر کے وقت جبکہ محمد عمر اور فضل اکبر سکنہ حصارہ شمالی ہشت نگر اپنی اراضیات کی آبپاشی کر رہے تھے کہ اوپر سے پانی بند کر دیا گیا۔ جب وہ وجہ معلوم کرنے کے لئے موگہ کی طرف روانہ ہوئے تو شمالی ہشت نگر کے جاگیردار اقبال خان اور اس کے نوکروں نے کسانوں پر فائرنگ کر کے انہیں شدید زخمی کر دیا پھر وہ دونوں مجروحین کو گھسیٹتے گھسیٹتے اقبال خان کے حجرہ میں لے گئے، جہاں پھر ان پر جبر اور تشدد کیا گیا اور انہیں اس شدت کے ساتھ زدوکوب کیا گیا کہ وہ دونوں مظلوم کسان بے ہوش ہو گئے اس اثنا میں مجروحین کی والدہ اور بہن نے تھانہ میں رپورٹ کی، پولیس نے ان دونوں کسانوں کو خان کی نجی جیل سے رہائی دلائی اور انہیں تنگی کے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا لیکن بعد میں خان کے اشارہ پر ان مظلوم کسانوں پر الٹا ڈاکہ زنی، بغیر لائسنس کے اسلحہ رکھنے اور خان پر حملہ کرنے کے بے بنیاد اور من گھڑت الزامات عائد کر کے جھوٹا مقدمہ قائم کیا گیا اور ان جھوٹے مقدمات کی بنیاد پر انہیں گرفتار کرایا گیا۔

۸۔ دس گیارہ جولائی ۱۹۷۰ء کی درمیانی رات کو پشاور سے تقریباً بارہ میل دور موضع کوچیان (گلیالہ) میں ایک کسان کارکن کو رات دو بجے نہایت بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ تقریباً ۴ سال سے کسانوں اور گلیلہ کے اربابوں کے مابین مکانات کی بیدخلیوں پر تنازعات چلے آ رہے تھے۔ مقامی اربابوں نے کسانوں کے خلاف کئی ایک جھوٹے مقدمات بنائے تھے جس میں ۲۵ کسان جن میں سب کی عمریں ستر اسی سال تھی۔ گرفتار کئے گئے تھے۔ جنہیں بعد میں پچاس پچاس ہزار روپے کی ضمانت پر رہا کیا گیا تھا۔

پھر ۱۹۶۷ء میں کسانوں پر جن میں مقتول خان محمد شامل تھا۔ زیر دفعہ ۳۰۷ ایک من گھڑت مقدمہ بنایا گیا جس کا فیصلہ ۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو سنایا گیا اور تمام کسان باعزت بری ہوئے، بری ہونے کے بعد شہید خان محمد رات کو گھر پہنچے اور اسی رات نہایت بیدردی سے قتل کر دیئے گئے۔

(مندرجہ بالا تمام واقعات ہیں نے ہفت روزہ "صنوبر" سے اخذ کئے ہیں۔ آج کل تمام کسان رہنما اور کارکن قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ واقعات کی پوری تفصیل اور کسان جدوجہد کا صحیح تجربہ تو وہی لوگ رہا ہو کر مرتب کریں گے)

شمالی ہشت نگر میں مزارعین اور کھیت مزدوروں پر خوانین کے ظلم و ستم اور جابرانہ بے دخلیوں کے خلاف مزدور کسان پارٹی نے پورے ملک میں ۷ اگست ۱۹۷۰ء کو "یوم ہشت نگر" نہایت احترام و عقیدت سے منایا۔

اس پورے عرصہ میں ہشت نگر کے مزارعین اور کھیت مزدوروں نے خوانین کے جاگیردارانہ ماحول کو توڑنے اور کسان تحریک کا لوہا منوانے کے لئے شاندار جدوجہد کی۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو پشاور میں مزدور کسان ریلی ہوئی جس میں روزنامہ مساوات کے اندازہ کے مطابق ایک لاکھ کسانوں نے پشاور کی سڑکوں پر پرشکوہ مارچ کیا۔ اس ریلی پر "مساوات" نے ایک اداریہ بعنوان "سرحد میں جاگیرداروں کا تحفظ" تحریر کیا۔ جس میں سرحد کے کسانوں کو ان کی جدوجہد پر مبارک باد دی گئی اور اپنی حمایت کا یقین دلایا گیا۔

یہ دور ملک میں عام انتخابات کا دور تھا۔ مزدور کسان پارٹی نے ملک کے عام انتخابات میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران مزدور کسان کارکن اپنی تنظیم کرتے رہے اور ملک کے غریبوں اور محنت کشوں کے مسائل کو حل کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔

کسان جدوجہد میں مصروف کارکنوں پر کسان عوام کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ پشاور کے جنوب میں واقع موضع مریم زئی میں ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ایک ووٹ بھی نہیں ڈالا گیا۔ اسی طرح ورسک کے علاقے میں پچیس تیس دیہات میں صرف گنتی کے چند ووٹ ڈالے گئے جو تعداد میں بیس سے زائد نہ تھے اس کے علاوہ ہشت نگر کے دوسرے علاقوں میں بھی کسانوں نے جاگیرداروں کو ووٹ نہ دینے کے مزدور کسان نعرے پر عملدرآمد کیا۔ کسانوں کے جم غفیر کا یہ اعتماد ہی مزدور کسان کارکنوں کا گرانقدر سرمایہ ہے۔

کسان تحریک نہ صرف شمالی ہشت نگر میں بلکہ جنوبی ہشت نگر میں بھی بہت مضبوط ہے یہاں بھی خان بہادر نثار محمد خان نے کسانوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ کسان کارکن غلام نبی کو نثار محمد خان نے گولیوں کا نشانہ بنایا۔ غلام نبی اس وقت اپنے گھر میں تھا۔ جبکہ خوانین اور اس کے غنڈوں نے غلام نبی کے گھر پر حملہ کیا۔ غلام نبی جان بچانے کے لئے بھاگا مگر ظالموں نے اندھا دھند فائرنگ کر کے اس غریب کارکن کو شہید کر دیا۔

غلام نبی کے قتل کے بعد جلادوں نے اس کے والد رحمت نبی اور پردہ دار خوانین کو گھر سے باہر نکال کر اتنا مارا پیٹا کہ وہ خون میں لت پت ہو کر تڑپنے لگے۔

مگر اس عظیم کارکن نے اپنے خان کے لئے انتخابات میں کام کر دینے سے انکار کر دیا! اسی طرح قومی اسمبلی کے انتخابات کے دن یعنی ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو قیوم لیگ کے ایک جاگیردار نے

۱۸ جون ۱۹۷۰ء کو شمالی ہشت نگر میں عوامی راج قائم ہو گیا

اپنے ایک مزارع کو اس لئے شہید کر دیا کہ اس نے اس کو ووٹ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ مزدور کسان تحریک کی ہدایت پر پابند رہے گا۔

یہ کسان کارکنان زندگی کی جدوجہد میں نشان راہ ثابت ہوں گے۔ عوامی جمہوری انقلاب کی جب تاریخ مرتب ہوگی تو یہ کسان کارکن عظیم شہیدوں میں سرفہرست ہوں گے

گو کہ ہشت نگر میں کسان جدوجہد کے دوران قربانیاں دی گئی ہیں، بہت سے کسان کارکن شہید ہوئے بہت سے زخمی ہوئے، ہزاروں کو بے روزگار ہونا پڑا۔ لیکن متواتر ثابت قدمی سے جدوجہد کرنے کے سلسلے میں اس علاقے کی دنیا ہی بدل گئی۔ کسانوں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا بند کر دیا۔ مقدمہ بازی میں جاگیرداروں کو گواہ ملنے بند ہو گئے۔ اس کے غنڈے کسانوں سے ڈرنے لگے۔ کسانوں کی عورتیں آزاد ہو گئیں، بیگار اور نذرانے ختم ہو گئے اور دو ٹکے کے کسان خانوں کے منہ آنے لگے اور سر اٹھا کر چلنے لگے۔ مکان تعمیر ہونے لگے مسجدیں آباد ہو گئیں، بچے اسکولوں کو جانے لگے اور کسانوں کے چوپالوں سے آزادی اور خوشحالی کے قہقہے فضاؤں میں اخوت، مساوات اور حریت کی لہریں بکھیرنے لگے۔ یہ ماحول جاگیرداروں کو ایک آنکھ نہ بھایا اور وہ کھلے بندوں اس کے بدلنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ کسانوں کو اس کا علم تھا۔ اور ان کو جاگیرداروں کی طرف سے انتقامی کارروائی کا خدشہ تھا۔

آخر کار ۳۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو موضع مندنی علاقہ ہشت نگر تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے قریب کسانوں کا وحشیانہ قتل عام کیا گیا۔ اس طرح کسانوں کو جاگیردارانہ خوف و ہراس کو ختم کرنے کے جرم میں انسانیت سوز مظالم کا شکار بنایا گیا۔ پولیس اور فرنٹیئر کانسٹیبلری کے جوانوں نے کسانوں پر اندھا دھند فائرنگ کی جس کے نتیجے میں پندرہ کسان شہید ہو گئے جس میں ایک عورت اور دو بچے بھی شامل ہیں۔ کسانوں کا کہنا ہے کہ ان کے گھروں کی جانب بے تحاشہ فائرنگ کی گئی جس سے کچھ مرغیاں، مویشی اور بہت سے پالتو و آوارہ کتے وغیرہ گولیوں کا نشانہ بنے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر ایک منصوبے کے تحت علاقہ میں دہشت پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

لیکن اب ہشت نگر میں ایک نیا آزاد انسان جنم لے رہا ہے جس کو ختم کرنے کے لئے جاگیردار قتل و غارت گری پر اتر آئے ہیں۔ لیکن آج زمانے کی آب و ہوا بدل رہی ہے۔ نئی آب و ہوا جاگیرداری کے مہیب اژدھے کے لئے جان لیوا ہے۔ موت کا ذائقہ چکھنا اس کا مقدر ہے۔

سوشلسٹ حلقوں کا فریضہ

کسان جدوجہد کے نتیجے میں ساٹھ کسان ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ سینکڑوں کو ظالم خوانین نے زخمی کر دیا ہے۔ ساڑھے تین ہزار کسان جیلوں میں صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں اور انیس ہزار کسانوں پر مقدمات قائم ہیں۔ تقریباً تمام کسان رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ سابق میجر اسحاق محمد لائلپور جیل میں درجہ سوئم میں عادی اخلاقی مجرموں کے ساتھ قید میں ہیں۔ افضل بنگش اور دوسرے کسان رہنماؤں کو پشاور جیل میں درجہ سوئم میں رکھا گیا ہے، گو کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ ان راہنماؤں کو درجہ سوم کیوں عطا کیا گیا۔ کیونکہ وہ تو اس سے بھی بدتر حالات کے لئے بھی تیار ہیں۔

مزدور کسان کارکن اس سلسلے میں روزنامہ "مساوات" "آزاد"، روزنامہ "ہلال پاکستان" اور ہفت روزہ "الفتح" کے شکر گزار ہیں جنہوں نے کسانوں کی جائز اور منصفانہ جدوجہد کی حمایت کی ہے، ان سب نے مزدور کسان پارٹی، مزدور کسان قیادت اور کسان تحریک پر مضامین شائع کئے اور اداریے تحریر کئے۔ ان ترقی پسند پرچوں نے ترقی پسند ہونے کے ناطے ہشت نگر کسان تحریک کو اپنا فریضہ جان کر اس کے سیاسی پروپیگنڈہ میں اپنا خاطر خواہ حصہ ادا کیا ہے۔

تمام محب وطن و ترقی پسند جماعتوں، حلقوں اور گروہوں کا یہ فرض ہے کہ وہ متحد ہو کر کسانوں کی جائز اور منصفانہ جدوجہد کی ایک آواز ہو کر تائید و حمایت کریں، محنت کش عوام کی جدوجہد خواہ کوئی بھی کرے اور کہیں بھی ہو، ہم سب کی متاع عزیز ہے ویلکا سے لے کر ہشت نگر تک ایک مقدس اتحاد ہونا چاہیئے

لیکن اس سلسلے میں بعض انفرادیت پسندوں کی یقیناً حوصلہ شکنی ہونی چاہیئے جو کہ اپنی شخصیت کے خول میں سمٹ گئے ہیں۔ ان ناعاقبت اندیشوں کو کیفے ٹیریوں، فلیٹیز اور ہوٹلوں سے کھینچ کر باہر نکالنا بھی ہمارا ہی فرض ہے۔ انقلابی "گپ بازی" اور فاضلانہ بحث و مباحثہ اپنی جگہ لیکن غریبوں کی گندی اور غلیظ بستیوں کا طواف ان انقلابی "لن ترانی" بگھارنے والوں کو زبردستی کرانا چاہیئے۔

لندن میں "ہائیڈ پارک" میں چرسیوں، ایل ایس ڈی کھانے والوں اور عیش و عشرت کی بہتات سے بور ہونے والے نوجوان "ہپی" مردوں اور عورتوں کو انقلاب کا درس دینے والوں کے نقش قدم پر چلنے والے "انقلابیوں" سے ہم دست بدستہ عرض کرتے ہیں کہ ذرا تم بھی لندن یا نیویارک چلے جاؤ۔

کسان تحریک کے خلاف اپنی "تودی بحثوں کو ختم کرو" کسان تحریک کے خلاف جتنی باتیں کی جاتی ہیں۔ ان کی فوری تصحیح ہونی چاہیئے۔ انقلابی ارباب اختیار نے کسان تحریک کے بارے میں جتنے غلط اقدامات کئے ہیں۔ ان سب کو بلا تاخیر تبدیل کرنا چاہیئے۔ صرف اسی طرح انقلاب کے مستقبل کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے کہ کسان تحریک کا موجودہ جوش و خروش ایک عظیم واقعہ ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں کروڑوں کسان ایک بہت بڑے طوفان اور زبردست آندھی کی طرح اٹھیں گے، یہ قوت اس قدر زبردست ہوگی۔ کہ بڑی سے بڑی طاقت اسے روک نہیں سکے گی، وہ ان تمام زنجیروں کو توڑ دیں گے جو ان کو جکڑے ہوئے ہیں اور آزادی کے راستے پر تیزی سے آگے بڑھیں گے، وہ تمام سامراجیوں، مقامی ظالموں اور بدکردار روساء کو دفن کر دیں گے۔ ہر انقلابی پارٹی اور ہر انقلابی رفیق کی آزمائش ہوگی، انہیں ان کے فیصلے کے پیش نظر قبول کیا جائے گا۔ تین صورتیں ہیں: "یا تو کسانوں کے آگے آگے چلیں اور ان کی رہنمائی کریں یا ہاتھ ہلاتے ہوئے اور نکتہ چینی کرتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلیں یا ان کی راہ میں حائل ہوں اور ان کی مخالفت کریں؟ ہر ایک شخص ان میں سے کسی ایک کا آزادی سے انتخاب کر سکتا ہے۔ لیکن حالات آپ کو مجبور کر دیں گے کہ انتخاب بلا تاخیر کریں۔"

خان کے بنگلے سے
کارتوس - جماعت اسلامی
والے کی مشین سے
خالی خول برآمد ہوا





میں نے خواجگانِ فلم کو ننگا کرنے کی کوشش کی

ممتاز فلم ساز و ہدایتکار ضیا سرحدی نے الفتح کے لئے لکھا

اور پھر کچھ عرصہ تک میں زیب النساء کی انکھڑیوں کے پُر اسرار جنگل میں کھویا رہا۔ اس سفر میں مجھے رفتہ رفتہ یہ معلوم ہونے لگا کہ اس ایکٹریس کی زندگی میں بھی لاتعداد موڑ ہیں۔ اور ہر موڑ اپنے طور پر غم انگیز بھی ہے۔ چنانچہ اسی طرح زیب کی زندگی نے میرے ذہن کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا اور مجھ کو اپنی روح میں ایک شدید ارتعاش کا احساس ہونے لگا۔ نانو بھائی کی رسم پسندی کو پھر ایک بار نظر انداز کر کے میں نے فیصلہ کیا کہ میں ہندوستان کی ایسی مقبول ایکٹریس کی زندگی کو اپنی کہانی کا نفس مضمون بنا کر، ایک حقیقت افروز اسکرپٹ لکھوں گا۔ اگرچہ اب تک بہت سے پردے اُٹھ چکے تھے، اور میں زیب کی زندگی میں دور دراز تک پہنچ چکا تھا مگر پھر بھی مجھ کو ہنوز بہت کچھ جاننا تھا۔ چنانچہ میں نے اصرار کیا۔۔ در پھر ایک دن زیب نے مجھ کو بچشم تر اپنی زندگی کے پوشیدہ ترین راز بتا ہی دیئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک حد درجہ [illegible] خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔ اور وہ ابھی بچی ہی تھی کہ [illegible] آغوشِ اجل کی تاریکیوں میں کھو گیا۔ اس کے بعد زیب کے گھر والے معاشی اعتبار سے بالکل بے دست و پا ہو گئے۔ اور چند ہی روز میں شدید افلاس اور فاقوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں نے اس کے گھر بھر کو اور زیادہ گھیر لیا۔ اسی بدحالی اور مجبوری کے المناک دور میں اس کی ماں اور رشتہ کی خالہ جلّو بائی نے (جو خود بھی ایکٹریس تھی) اس کو ایک فلم کمپنی [illegible] ملازم کروا دیا۔ اور اس طرح سے وہ بچگانہ رولز کے لئے [illegible]۔ اس فلم کمپنی کے بنیئے (مالک) کی نگاہ اُس پر پہلے روز ہی پڑ چکی تھی۔ اور ملازمت کے ایک ماہ کے اندر اندر ہی نو عمر زیب النساء کو اس طلائی دیو کی آغوش میں برہنہ ہو کر لیٹ جانا پڑا تھا۔ چنانچہ زیب کا یہ پہلا اور ناپسندیدہ جنسی تجربہ بارہ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ اور

بقول اُسی کے اس کی یہ نیم شگفتہ عمر ہنوز جنسی "دھمال" کے لئے پورے طور پر تیار نہیں تھی، تاہم معاشی مجبوریوں اور رزق کے تقاضوں نے جب اس کو اس بنیائی خندق میں دھکیل ہی دیا، تو پھر کیا تھا۔ بارہ سال کی عمر ہی سے وہ ایک زردار کی داشتہ ہو کے رہ گئی اور اپنے طور پر اُس نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ اب وہ بھی ایک عصمت فروش ہے، ایک رنڈی ہے۔ اور نگار خانے کے در و دیوار اور مشینوں کی طرح وہ بھی اپنے "ان داتا" کی پراپرٹی ہے۔

زیب النساء کی یہ داستان سننے کے بعد میں نے بڑی تن دہی کے ساتھ چند روز تک اس کے فلمی اسکرپٹ پر کام کیا۔ اور زیب النساء کو مرکزی کردار متعین کر کے میں نے اس اسکرپٹ کو مکمل کیا۔ سروج کے مالک نانو بھائی نے جب یہ اسکرپٹ سنا تو بڑی خنکی کے ساتھ اس میں چند

> ضیا سرحدی صاحب شوٹنگ کے سلسلے میں لاہور گئے ہو [illegible]، وہیں سے اپنی اقساط بھجوا رہے تھے۔ آؤٹ ڈور کے لئے انہیں اندرونی علاقوں میں جانا پڑ گیا۔ اس لئے گذشتہ ہفتے ان کی قسط شاملِ اشاعت نہیں ہو سکی تھی (ادارہ)

ایسی بنیادی تبدیلیوں کی خواہش ظاہر کی جن کو میں نے بعد ازاں جب بہ مجبوری قلم بند کیا۔ تو مجھے محسوس ہوا کہ میرا اسکرپٹ بھٹک کر نا [illegible] راہوں پر آ گیا ہے۔ اور اس میں اب مقصدیت کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا۔ میں نے چاہا تھا۔ کہ میں خواجگانِ فلم کی زندگی سے کچھ پردے ہٹاؤں اور ان حقائق کو رونما کروں جو اس وقت تک میرے تجربے میں آ چکے تھے مگر نانو بھائی، اس اندازِ تحریر کے حق میں نہ

تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ شروع سے آخر تک بناوٹ سے کام لیا جائے۔ چنانچہ میں نے اس کے بعد پھر اپنی کہانی کو نانو بھائی کے زاویئے سے لکھنا شروع کیا۔ اور اس کے نتیجے میں ہر کردار ایک کٹ پتلی کی شکل اختیار کر کے رہ گیا اور ہر کردار کے تمام بنیادی اور معاشرتی نقوش دھندلے پڑ گئے میری دانست میں اس سے پہلے وہ ایک جاندار انسان تھے۔ لیکن اب ان کے بیشتر انسانی اوصاف اور کشش مفقود ہو کے رہ گئیں، ان تمام کردار کا اب نہ اپنا کوئی مزاج رہا۔ نہ کوئی واضح ذہنی ڈھانچہ، اور نہ ہی اس قابل رہے کہ ان کی انفرادی حرارت اور شخصیت کا احساس ہو سکے، نانو بھائی کی پسندیدہ ترمیم نے اگرچہ مجھے بہت دل برداشتہ کر دیا تھا مگر بہ مجبوری میں نے ان کی ہدایات کے مطابق بالآخر کہانی ان کے سیاہ قدموں میں رکھ ہی دی اور جس بات کا مجھے سب سے زیادہ افسوس ہوا، وہ یہ تھی، کہ انہوں نے کہانی کی اس نئی مبہم اور بھٹکی ہوئی شکل کو بے حد پسند کر کے، میری تعریف کے پل باندھ دیئے۔ اور یہی نہیں، بلکہ مجھ کو اس کی ہدایت کاری کا آفر بھی دے دیا۔ میں نے اس آفر کو بغیر کسی تامل اور تردد کے قبول کر لیا۔ اور یہ اس لئے کیا کہ مجھ کو اس میں بااختیار اور عملی طور پر کیمرہ اور صدا بندی وغیرہ کے کاموں کو سیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کے مواقع نظر آئے۔ لہٰذا کہانی کو ناپسند کرنے کے باوجود میں نے اس فلم کی ہدایت کاری کا آغاز کر دیا۔ اُسی زمانے میں نانو بھائی نے آر ایس چوہدری کو بھی ایک فلم کے لئے انگیج کر لیا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز میں سروج کی دو فلمیں، میری اور چوہدری کی ہدایت کاری میں فلور پر پہنچ گئیں۔

مگر ابتدائی دور ہی میں ہدایت کاری کے فرائض انجام

باقی صفحہ ۲۴ پر ملاحظہ فرمائیں



’انقلابی کا اپنا کوئی وطن نہیں ہوتا‘

چے گویرا کا نعرۂ انقلاب لاطینی امریکہ میں پھیل چکا ہے

وہاب صدّیقی

”یاد رکھو! کہ اگر کوئی اہم ہے تو وہ انقلاب ‘ اس کے مقابلے میں ہماری ذات ہمارا وجود کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مزید برآں دُنیا کے کسی بھی خطے میں انسانیت کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو پوری طرح محسوس کرو۔ یہی ایک انقلابی کی سب سے بڑی صفت ہے۔“

گو اس خط میں چے گویرا اپنے بچوں سے مخاطب ہے لیکن درحقیقت وہ پوری انسانیت سے خطاب کررہا ہے۔ وہ تمام دُنیا کے انقلابیوں کو بتا رہا ہے کہ انقلابی کا اپنا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ اس کی جدوجہد ایک مخصوص خطے پر محیط نہیں ہوتی۔ سامراجیت کے خلاف دنیا کے ہر گوشے کی جدوجہد کی حمایت اور عملی امداد کرنا ہر انقلابی کا فرض ہے۔ یہ خط چی کے جذبات کا ترجمان ہے ان نظریات کا عکاس ہے جس کے لئے چی زندہ رہا۔ جدوجہد کی اور جان قربان کردی

۹۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ڈاکٹر ارنیسٹو چی گویرا کی چوتھی برسی منائی گئی آج سے چار سال قبل ۸ اکتوبر کو بولیویا کی سامراج نواز فوج نے چی اور چند گوریلیوں کو گھیر لیا۔ گھیراؤ سے نکلنے کے لئے چی ایک تنگ گھاٹی میں رات کا انتظار کر رہا تھا کہ دوپہر کو ایک بجے دشمن کی فوج اس پر ٹوٹ پڑی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ چی اپنی پناہ گاہ سے دشمن کا جانبازی اور پامردی سے مقابلہ کرتا رہا چی کے کانوں میں اپنا ہی پیغام گونج رہا تھا۔ جو اس نے سہ براعظمی کانفرنس کو دیا تھا کہ ”ہمارا ہر عمل سامراجیت کے خلاف نعرہ جنگ ہے موت سے جہاں بھی ہمارا سامنا ہو ہم اس کا استقبال کریں۔ بشرطیکہ ہمارا یہ نعرہ جنگ اثر پذیر کانوں تک پہنچ چکا ہو اور دوسرے ہاتھ ہمارے ہتھیاروں کو اٹھا کر جنگ جاری رکھیں“۔ چی کا نعرہ انقلاب نہ صرف بولیویا بلکہ پورے لاطینی امریکہ میں پھیل چکا تھا، اور لاطینی امریکہ کے انقلابی اس کے نقش پا پر گامزن تھے چنانچہ چی اور اس کے ساتھی موت سے لاپرواہ ہو کر لڑے۔ اس کے تمام ساتھی یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے پیرو کا ایک گوریلا ڈاکٹر سخت زخمی ہو گیا اور جب اس میں بندوق پکڑنے کی بھی سکت نہ رہی تو چی نے اسے محفوظ مقام پہ پہنچا دیا۔ لیکن یہ گوریلا ڈاکٹر چند دنوں بعد کیمبو بریڈا اڈبل بارود کے قریب فوت ہو گیا چی گویرا زخمی ہونے کے باوجود لڑتا رہا۔ اسے امید تھی کہ شام تک وہ دشمن کی فوج کو روکے رکھے گا اور رات کی تاریکی میں فرار ہو کر محفوظ مقام پر چلا جائے گا۔ کہ اچانک ایک توپ کے گولے سے اس کی بندوق کی نالی بے کار ہو گئی پستول کی گولیاں پہلے ہی ختم ہو چکی تھیں۔ اس کی ٹانگوں میں اتنے زخم تھے کہ وہ بغیر سہارے چل بھی نہیں سکتا تھا۔ اس بے بسی اور لاچاری کے عالم میں اسے گرفتار کیا گیا۔ لیکن بولیویا کے فوجی حکام نے یہ افواہ پھیلادی کہ چی جنگ کے کچھ گھنٹے بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے فوت ہو گیا۔

چی کو گرفتار کر کے ہگوراز لے جایا گیا۔ طبی امداد مہیا کرنے کی بجائے فوجی حکام نے اسے طرح طرح سے تشدد کا نشانہ بنایا۔ جب ایک شرابی افسر نے زیادہ ہی تنگ کیا تو چی نے اس کے ایک تھپڑ جڑ دیا۔ بیری انٹو اور دانٹو وادر دوسرے اعلیٰ فوجی حکام نے اسے عدالت میں پیش کرنے

الفتح

کی بجائے قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ ہگورراز کے ایک اسکول میں کیا گیا امریکی تربیت یافتہ کرنل سل نش مارلیو ٹراں اور میجر الیورا کو چی گویرا کے قتل پر مامور کیا گیا۔ ٹراں نشے میں تھا، وہ سامنے سے گولی چلانے میں جھجکا۔ تو چی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "گولی چلاؤ ڈرو مت" ٹراں چی کے سامنے سے ہٹ گیا۔ بیری انٹو نے اپنا حکم پھر دہرایا ٹراں نے مشین گن سے گولیاں چلائیں جو کمر سے نیچے لگیں۔ اس سے چی کی جانکنی طویل ہو گئی وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ ایک مدہوش سارجنٹ نے چی کے بائیں جانب پستول کی گولی مار کر اسے شہید کر دیا یہ ظالمانہ اور تشدد آمیز رویہ اس انقلابی سے کیا گیا جس نے بولیویا کی بٹھو فوج کے بے شمار افسروں اور جوانوں کو قیدی بنانے کے بعد ان سے نہایت شریفانہ اور نرمی کا برتاؤ کیا تھا۔

سیماب صفت انقلابی چی گویرا اگرچہ ارجنٹائن کا باشندہ تھا۔ لیکن اس نے کیوبا کی جدوجہد آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ وہ فیدل کاسترو کی قیادت میں کیوبا کے جنگلوں، پہاڑوں اور گھاٹیوں میں لڑا۔ گوریلوں کو منظم کیا۔ اور عوام کو گوریلا جنگ کی تربیت دی۔ اور جب کیوبا سامراجی چنگل سے آزاد ہو گیا۔ استحصالی نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ اور سوشلسٹ حکومت قائم ہو گئی تو چی گویرا نے اقتدار میں حصہ لینے کی بجائے نہایت خاموشی سے کیوبا کو خیرباد کہہ دیا۔ کیوں؟ اس کا جواب اس خط سے ملتا ہے جو اس نے کیوبا چھوڑتے وقت فیدل کاسترو کے نام لکھا "میں نے اپنے فرض کا وہ حصہ ادا کر دیا جس نے مجھے کیوبا کی سرزمین اور انقلاب سے منسلک کر رکھا تھا۔ اس لئے میں تم سے اور ساتھیوں سے اور تمہارے عوام سے جو کبھی کے میرے ہو چکے ہیں رخصت ہوتا ہوں...... دنیا کی دوسری قومیں میری ناچیز کاوشوں کو آواز دے رہی ہیں۔ میں وہ کچھ کر سکتا ہوں جو تم کیوبا کے سربراہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمارے بچھڑنے کا وقت آ گیا ہے۔"

چی گویرا گوریلا جنگ کا ماہر تھا، گوریلا جنگ کا تصور نیا نہیں تاریخ میں بے شمار ایسے واقعات موجود ہیں جب طاقتور دشمن کو شکست دینے کے لئے گوریلا جنگ کا طریقہ اپنایا گیا۔ برصغیر ہند و پاکستان میں بھی ایسی کئی مثالیں موجود ہیں، حیدر علی نے اسی طریق جنگ کی بدولت برطانوی نوآبادکاروں کو زبردست شکستیں دیں۔ حیدر علی کے اس گوریلا جنگ سے فرنگی کمانڈر کرنل ووڈ بہت پریشان تھا۔ اس نے حیدر علی کو کھلے میدان میں جنگ لڑنے کا پیغام بھیجا۔ حیدر علی نے ۔ جو برطانوی فوجوں کی اعلیٰ تربیت اور اپنی کمزوریوں سے بخوبی آگاہ تھا۔ کرنل ووڈ کو لکھا "تم رفتہ رفتہ میرے طریق جنگ سے واقف ہو جاؤ گے کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اتنا احمق اور نادان ہوں کہ اپنی گھڑ سوار فوج کو جس میں ایک ایک گھوڑا ہزار ہزار روپے میں آتا ہے۔ تمہارے توپ خانے کا ایندھن بنا دونگا جس کا ایک گولہ دو پیسے سے زیادہ کا نہیں ہیں تمہاری فوجیوں کو مارچ کرتے رہنے پر مجبور کروں گا۔ حتیٰ کہ ان کی ٹانگیں پھول کر ان کے جسموں کے برابر ہو جائیں۔ تمہیں کہیں گھاس کی ایک پتی بھی میسر نہیں آئے گی نہ پانی کا ایک قطرہ مجھے تمہاری آمد کی اطلاع ہمیشہ ملتی رہے گی۔ تمہارے نقارے کی آواز مجھے خبردار کر دے گی۔ لیکن تم کو میرا پتہ نہ ہو گا۔ میں تمہاری فوج سے لڑوں گا۔ لیکن یہ اسی وقت ہو گا جب میں چاہوں گا۔ اس وقت نہیں جب تم چاہو گے"۔ حیدر علی کا یہ خط گوریلا جنگ کے بنیادی اصولوں کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن حیدر علی کی گوریلا جنگ کا مقصد اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنا تھا۔ جب کہ چیئرمین ماؤزے تنگ نے گوریلا جنگی طریق کار کو عوامی جنگ کا روپ دیا اور بتایا کہ عوامی جنگ میں فتح صرف گوریلا جنگی حکمت عملی کی بدولت نہیں بلکہ ایک پورے معاشرتی اور سیاسی عمل سے ہوتی ہے اگر عوامی جنگ کا پورا معاشرتی اور سیاسی عمل سے ہوتی ہے اگر عوامی جنگ کا پورا معاشرتی اور سیاسی نظریہ عمل میں نہ لایا جائے تو محض گوریلا جنگ کی بدولت کامیابی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ چی گویرا نے بھی گوریلا طریق جنگ کو عوامی جنگ کا روپ دیا۔ اس نے جولائی ۱۹۶۰ء میں "گوریلا جنگ" نامی کتاب میں اصول و ضوابط بتائے۔ لیکن وہ گوریلا جنگ کو عوامی جنگ کا روپ دینے میں ناکام رہا کیونکہ بنیادی طور پر وہ پارٹی کے نظم و نسق پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اور اس کا عقیدہ ہے کہ گوریلوں کے ایک دستے سے کسی بھی جگہ انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ خواہ معاشرہ تبدیلی کے لئے تیار نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسے سامراج دشمن انقلابی اور کیوبا کی جدوجہد آزادی میں اتنی قربانیاں دینے کے باوجود کیوبا کی کمیونسٹ پارٹی میں اہم درجہ نہیں دیا گیا۔

بولیویا میں چی گویرا نے انقلاب درآمد کرنے کی کوشش کی۔ بولیویا کے انقلابیوں کی حمایت حاصل کئے اور اعتماد میں لئے بغیر گوریلا جنگ شروع کر دی نتیجتاً ناکامی اس کا مقدر بن گئی۔

ان خامیوں کے باوجود چی گویرا کٹر سامراج دشمن اور عظیم انقلابی تھا۔ آج لاطینی امریکہ اس کے اس نعرے سے گونج رہا ہے

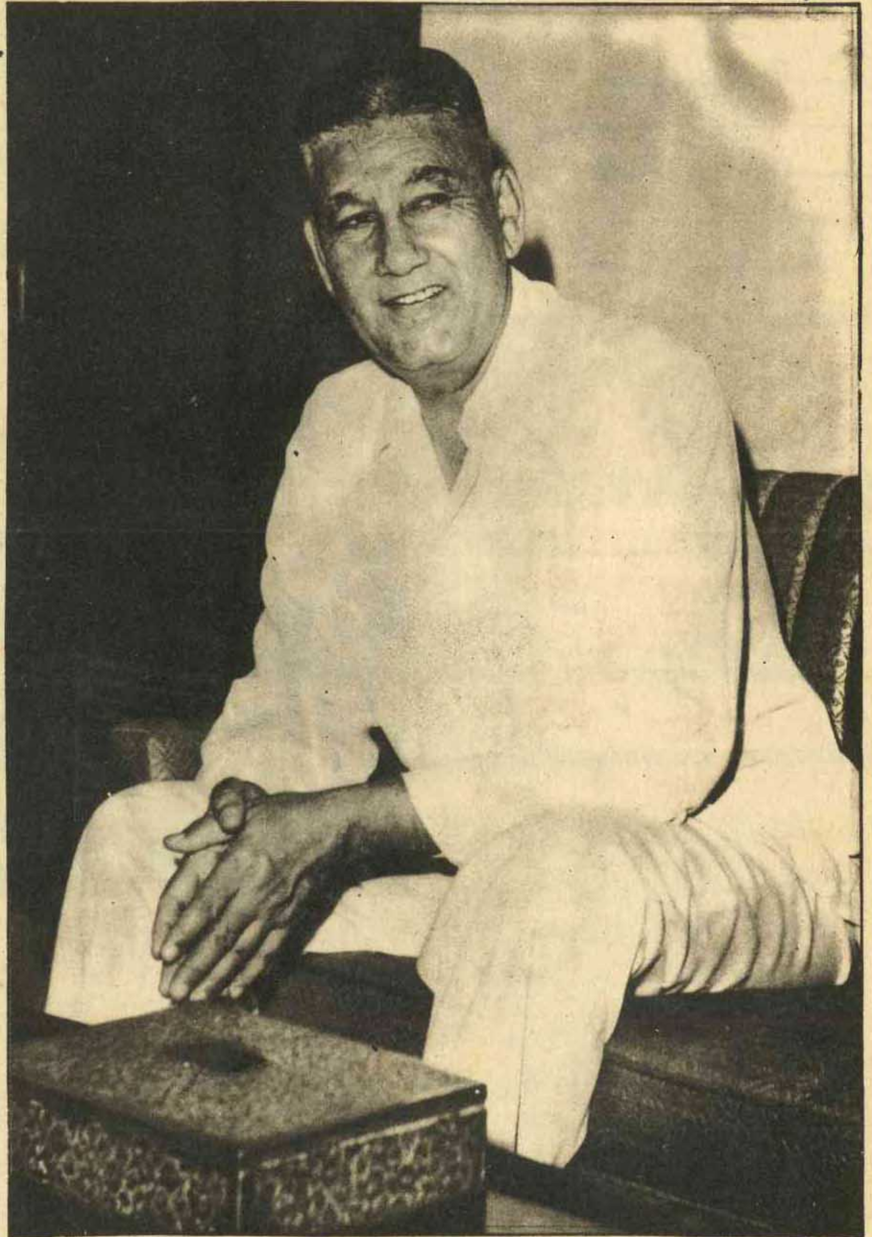
"اب بھٹیاں دہکنے کا وقت ہے
اب صرف روشنی نظر آنی چاہیئے"

"الفتح" اور آپ کی رائے

"الفتح" آپ کا اپنا پرچہ ہے اور ہم آپ کی رائے کو وقیع تر سمجھتے ہیں۔ اس پرچے کی افادیت میں ہم اور بھی اضافہ کر سکتے ہیں اگر آپ مشورہ دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اپنے طور پر جو کوششیں کرتے ہیں اس کے متعلق آپ کی رائے بھی جان لیں۔ ہمارے ہاں جو مستقل سلسلے شروع ہیں اس کے بارے میں ہم جاننا چاہتے ہیں کہ انہیں جاری رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے اور اگر جاری رکھا جائے تو ان میں کس قسم کے اضافے کی ضرورت ہے۔ آپ کو کونسا سلسلہ سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ مندرجہ ذیل موضوعات کے بارے میں اپنی رائے الگ کسی پرچے پر لکھ کر بھجوا دیں۔

۱- ظاہری خبریں اندرونی کہانیاں	۲- سنو آواز آ رہی ہے
۳- پردہ چاک	۴- سرمایہ دار معاشرے کا دوسرا رُخ
۵- ضیاء سرحدی کی یادداشتیں	۶- ہنزہ سے چاٹگام
۷ ۲۲ خاندان	۸- روزنامہ غالب سے روزنامہ جنگ تک

تاریخی حقائق کی پہلی بار نقاب کشائی



بھوک کے خلاف

جنرل موسیٰ کی جنگ

مغربی پاکستان کے سابق گورنر اور بری افواج کے سابق کمانڈر انچیف

جنرل محمد موسیٰ خان سے محمود شام کی گفتگو

سابق کمانڈر انچیف اور مغربی پاکستان کے سابق گورنر جنرل (ریٹائرڈ) محمد موسیٰ خان صاحب سے ہماری پہلی ملاقات نشانِ حیدر کے سلسلے میں تھی. اب کے ان سے ملاقات اناج کی تقسیم اور اناج کی پیداوار کے سلسلے میں ہوئی جو اپنی جگہ ایک نہایت اہم داستان ہے. جنرل صاحب نے اپنی زندگی میں تین اہم جنگیں لڑی ہیں (۱) تقسیم کے وقت لاکھوں مہاجرین کا استقبال، حفاظت اور آباد کاری (۲) جنگ ستمبر ان دنوں کے بارے میں وہ تفصیلاً "محشرِ صغریٰ" کے عنوان سے اخبار جہاں سے لکھ چکے ہیں (۳) تیسری جنگ خوراک کے محاذ پر لڑی، اس کے لئے انہوں نے کرم فرمائی کی اور ہمیں موقع دیا. جنرل صاحب نے پاکستان کے عوام کیلئے دو "یکساں اہمیت کے امور، یعنی دفاع اور زراعت دونوں میں دلچسپی لی، دفاع میں قوم کا وقار ہے، زراعت میں قوم کی عزت ہے. کیونکہ اس سے پیٹ کی بھوک مٹتی ہے. وہ فخریہ کہتے ہیں کہ فوجیوں کے بعد انہیں جن لوگوں سے مل کر دلی خوشی ہوتی تھی وہ ساہیوال اور گوجرانوالہ کے کسان تھے. کیونکہ یہ لوگ باہر کے ماہرین کی نسبت زراعت کی بابت کہیں زیادہ جانتے تھے.

موسیٰ صاحب اس بات پر نہایت سختی سے یقین رکھتے ہیں کہ ہماری کوئی بھی جدوجہد ہو اور کوئی بھی اندازِ فکر ہو، ہمیں پاکستان کے "فریم ورک" میں رہنا چاہیئے، اگر کوئی پاکستان کے "فریم ورک" سے باہر نکلتا ہے تو ذمہ دار مشینری کو ایسے شخص کی سخت سرکوبی کرنی چاہیئے. اگر آدمی فریم سے نکلتا ہے، تو فریم ٹوٹ جاتا ہے

موسیٰ صاحب سے ہم خوراک کی تقسیم کی بات اس لئے بھی کرنا چاہتے تھے. کہ اس وقت مشرقی پاکستان میں بھی یہی مسئلہ درپیش ہے، وہاں بھی باہر سے غلہ آرہا ہے وہاں بھی اس کی تقسیم میں رکاوٹیں ڈالی جارہی ہیں. بے گناہ عوام، مائیں، بہنیں، بیٹیاں بھوکے ہیں، ان تک اناج پہنچنا چاہیئے، یہ بھی ایک جنگ ہے. اس کے لئے بھی جنگ کی حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہیئے. اور جن عوامل نے اس تقسیم میں رکاوٹیں ڈالیں، ففتھ کالم، بیوروکریسی وغیرہ، ان سے خبردار رہنا چاہیئے.

ریلوے ھڑ

اناج کی تقسیم

سبوتاژ کے

تم آٹا مانگ رہے ہو

ہم تمہارے لئے برقی



جنگ کے بعد ہمیں ایک اور جنگ لڑنی پڑی، یہ بھی جنگ تھی۔ اپنی بقاء کے لئے جنگ۔ بھوک کے خلاف جنگ، اس میں بھی شدت پہلے والی جنگ سے کسی طرح کم نہ تھی۔

سابق کمانڈر انچیف اور مغربی پاکستان کے سابق گورنر جنرل محمد موسیٰ، جنگ ۱۹۶۵ء کے بعد مغربی پاکستان میں اناج کی تقسیم کو ایک جنگ قرار دیتے ہیں، چونکہ وہ مغربی پاکستان کے گورنر تھے، اور انہیں معلوم ہے کہ اس تقسیم میں انہیں کن کن محاذوں پر لڑنا پڑا، اس لئے ان کی بات یقیناً قابل قبول ہے، اور جب میں نے ان سے یہ کہانی بالتفصیل سنی تو مجھے بھی یقین ہو گیا کہ یہ واقعی جنگ کے بعد ایک اور جنگ تھی۔ اس میں بہت سے گوشے ایسے ہیں جن پر مصلحتوں کی نقاب پڑی ہوئی تھی جن کے اٹھنے سے ہی چہرے ایسے سامنے آتے ہیں جو بڑے عوام دوست بھی کہلاتے ہیں اور محب وطن بھی۔ لیکن اس جنگ کے دوران انہوں نے ففتھ کالم کا کردار ادا کیا۔ اناج کے لئے منتظر ماؤں بہنوں اور بیٹیوں تک خوراک نہ پہنچنے دی۔ یہ کتنی المناک داستان ہے۔

یہ ۱۹۶۶ء کے اوائل کی بات ہے کہ مغربی پاکستان میں غلے کی شدید کمی ہو گئی تھی۔ موسیٰ صاحب مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔ غلے کی ضرورت کا اندازہ متعین کرنے کے بعد آرڈر دیا جا چکا تھا۔ قریباً دس لاکھ ٹن اناج درکار تھا۔ انتظامات مکمل ہو گئے، اطلاع مل گئی کہ غلے کے جہاز آ رہے ہیں، اب موسیٰ صاحب کے سامنے کئی مسائل ہے، کہ بندرگاہ پر غلے کے جہازوں کے لنگر انداز ہونے کے بعد اسے کئی مراحل سے گزرنا تھا۔ پہلے تو (۱) بندرگاہ پر جہازوں پر سے غلہ اتارنا اور پھر ریل گاڑیوں میں لادنا۔

اس کے بعد (۲) سارے صوبے میں تقسیم۔
(۳) مختلف علاقوں میں پہنچنے کے بعد گاڑیوں سے اتار کر [illegible] میں لادنا
(۴) ٹرکوں سے آٹے کی ملوں تک پہنچانا۔
(۵) آٹے کی ملوں سے راشن ڈپوؤں تک فراہمی۔
یہ مراحل بھی اپنے اندر کئی مراحل رکھتے ہیں، اناج جہازوں سے اتار کر ریل گاڑیوں تک پہنچانے کے لئے خصوصی گیجٹ کی ضرورت تھی۔ جو ہمارے پاس ان دنوں نہیں تھے۔ وہ خاص طور پر منگوائے گئے، اور ان سے غلہ ٹرینوں میں لادا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں کی ضروریات کا اندازہ کرنے کے بعد اس کے مطابق ٹرینوں میں غلہ لادا گیا۔ پورے صوبے کیلئے اندازہ کر لینے کے بعد معلوم ہوا کہ ۳ سے ۵ ٹرینیں روزانہ درکار ہیں، یہ ٹرینیں بندرگاہ پر کھڑی ہوں گی، ان تمام ٹرینوں پر غلہ چڑھانے کے لئے مزدوروں اور دوسرے عملے کی ضرورت ہو گی، اس وقت کے کراچی پورٹ ٹرسٹ کے چیئرمین بے چارے رات دن کام کرتے تھے۔ کیونکہ ٹرینوں کو بندرگاہ پر جمع کرنا بھی بڑا مسئلہ تھا۔ موسیٰ صاحب بتاتے ہیں کہ میں نے اس وقت کے ریلوے بورڈ کے چیئرمین قریشی صاحب کو بلایا۔ ان سے پوچھا کہ گندم لے کر جانے والی ٹرین لاہور تک کتنی دیر میں پہنچے گی۔ جواب ملا کہ ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ میں نے کہا یہ تو بہت زیادہ ہے، زیادہ سے زیادہ چار دن لگنے چاہئیں، قریشی صاحب نے بتایا کہ اس کے لئے انجن زیادہ چاہئیں اور ہمیں انجن لگانے کے لئے کئی برانچ لائنوں سے گاڑیاں ہٹانی پڑیں گی۔ میں نے پوچھا کتنی برانچ لائنیں۔ بتایا۔ چھ لائنیں بند کرنی پڑیں گی۔ میں نے کہا۔ بند کر دو، لوگوں کو غلہ ملنا چاہیئے۔ قریشی صاحب نے ٹرینوں کا انتظام کر دیا اور اناج تمام تر مراحل اور مشکلات کے باوجود منزل مقصود پر پہنچنے لگا

یہ فروری ۱۹۶۷ء کی بات ہے کہ تخریب پسند اور دشمن

ـیں

ـشی گئی





ـنیں چلا رہے ہیں

دشمنوں نے سوچا کہ یہ تو اناج بھی منگا سکتے ہیں اور پھر کامیابی سے تقسیم بھی کر سکتے ہیں۔ اب انہیں کیسے نقصان پہنچایا جائے انہوں نے پروگرام بنایا کہ ان کی تقسیم کے منصوبے کو سبوتاژ کر دیا جائے۔ عین اس وقت جب مغربی پاکستان کے عوام میں غلہ تقسیم کیا جا رہا تھا۔ پورے مغربی پاکستان میں ریل کا پہیہ جام کر دیا گیا۔ یہ سب سے بڑی ہڑتال تھی۔ مغربی پاکستان کے ہر علاقہ ہر شہر میں اس کا اثر پڑا۔ اس کے بڑے بڑے مراکز لاہور، روہڑی اور کراچی تھے۔ ہڑتال پوری طرح سوچ سمجھ کر کی گئی تھی۔ اس لئے اس پر قابو پولیس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پولیس ناکام ہو گئی تو ایک بٹالین آرمی کو بلانا پڑا۔ لیکن فوج کو کسی کارروائی کا حکم دینے سے پہلے ہم نے اتمام حجت کیا۔ اور اس وقت کے وزراء احمد سعید کرمانی اور ملک اللہ یار کو موقع پر بھیجا کہ وہ ہجوم سے خطاب کر کے بتائیں کہ ریلوے کی ہڑتال سے سب سے زیادہ اثر غلے کی تقسیم پر پڑا ہے۔ اگر یہ تقسیم کا منصوبہ ناکام ہو گیا تو عوام بھوکے مریں گے۔ غلہ نہیں ملے گا۔ کروڑوں انسانوں کی زندگی کا دارومدار آپ پر ہے ان تک غلہ نہ پہنچ سکا۔ تو وہ بھوک کے ہاتھوں جان دے دیں گے"۔

اس اپیل کے باوجود اگلے روز مزدور پھر باہر جلوس کی شکل میں نکل آئے تو میں نے لاہور کے جی او سی میجر جنرل خداداد کو بلایا۔ اور کہا کہ ہم اتمام حجت کر چکے ہیں۔ دو وزیر ہجوم سے خطاب کر چکے ہیں لیکن بے اثر رہا ہے۔ اس لئے اب طاقت کا استعمال ناگزیر ہو گیا ہے اور اگر طاقت استعمال ہو تو یہ موثر ہونی چاہیئے۔

اس روز ہجوم ریلوے پل کے قریب جمع تھا۔ فوج نے ایک گولی چلائی۔ یہ ایک شخص کی ٹانگ میں لگی، وہ شدید زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد ہجوم منتشر ہونے لگا۔ اس ہڑتال نے رفتہ رفتہ دم توڑ دیا۔ یہ ہڑتال مجموعی طور پر تین ہفتے جاری رہی تھی ہڑتالیوں کے رہنماؤں کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ موسیٰ صاحب کہتے ہیں کہ یہ غلے کی تقسیم میں بڑا شدید اور منظم سبوتاژ تھا۔ اس کے بڑے بڑے مراکز، لاہور، کراچی اور روہڑی تھے۔ بعد میں ہر ٹرین کے ساتھ محافظ بھیجنے پڑتے تھے۔ موسیٰ صاحب نہایت تاسف بھرے لہجے میں کہنے لگے۔ دیکھئے اپنے ہی ملک میں ان ٹرینوں کے ساتھ محافظ رکھنے پڑے، جن میں اس ملک کے بچوں، عورتوں اور نوجوانوں کے لئے غلہ بھیجا جا رہا تھا۔ اس کے بعد یہ طریق کار رہا کہ مجھے ہر ٹرین کی آمد کی اطلاع فوراً دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی غلہ لانے لے جانے والی ٹرینوں کی آمدورفت کا چارٹ میں روزانہ خود دیکھتا تھا۔

یہ تو خوراک کی تقسیم میں بڑے پیمانے پر سبوتاژ کی داستان تھی۔ اس تقسیم کے دوسرے مراحل پر بھی اس سبوتاژ کی کوششیں ہوئیں۔

میدہ زیادہ نکال رہے ہیں

عوام کی طرف سے شکایتیں موصول ہونے لگیں کہ آٹے کی ملوں والے میدہ زیادہ نکال رہے ہیں۔ بار بار شکایتیں ملنے کے بعد میں نے اس حرکت کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لئے فوری طور پر حکم دیا کہ آٹے میں سے میدہ بالکل نہ نکالا جائے۔

اس حکم کا جاری ہونا تھا کہ اب نئے زاویئے سے حملہ شروع ہوا۔ ایک طرف مرکزی حکومت کے بعض افسر شکایتیں لائے کہ جناب ڈپلومیٹک کور والے (غیر ملکی سفارت خانے) تو میدے کی بنی ہوئی چیزیں استعمال کرتے ہیں، وہ کیا کریں۔ میں نے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ ڈپلومیٹک کور والے اپنے اپنے ملک سے میدہ منگوا لیں۔ ہم انہیں یہ میدہ کسی کسٹم ڈیوٹی کے بغیر لانے کی اجازت دیتے ہیں)، دوسری طرف حلوائیوں نے اعتراض کیا کہ مٹھائی کیسے بنے گی، میں نے کہا کہ چند حلوائیوں کے لئے کروڑوں افراد کو گھاس کھانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، تھی بھی حقیقت کہ اس قدر میدہ نکالے جانے کے بعد آٹا نہیں گھاس ہی بچتی تھی۔

ان میں سے بعض حلوائی زیادہ بااثر تھے، وہ سفارشیں لے کر صدر ایوب کے پاس پہنچ گئے۔ اور وہ رو نا رویا کہ ایوب صاحب نے مجھے فون کیا، اور پوچھا "موسیٰ! کیا بات ہے۔ یہ کیا کہتے ہیں"۔ میں نے ایوب صاحب کو حقائق سے آگاہ کیا اور ایک ایک بات وضاحت سے بتائی! اس پر انہوں کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، یہ لوگ مجھے آ کر غلط سلط باتیں بتاتے ہیں میں انہیں خود سمجھا دوں گا۔ موسیٰ صاحب نے بتایا کہ یوں

حلوائیوں کے لئے میدہ نکال کر عوام کو گھاس کھانے پر مجبور کیا گیا

مجھ پر بے حد دباؤ ڈالا گیا۔ لیکن ایوب صاحب نے ان لوگوں کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ گورنر ٹھیک کام کر رہا ہے۔ اسے کام کرنے دو

اقتصادی کونسل کا اجلاس اور برقی ٹرین کا مسئلہ

موسیٰ صاحب نے بتایا کہ اس کے بعد اکتوبر ۱۹۶۷ء کے وسط میں ڈھاکہ میں اقتصادی کونسل کی انتظامی کمیٹی کا اجلاس ہوا، صدارت اس وقت کے وزیر خزانہ ایم این عقیلی کر رہے تھے اس میں منصوبہ بندی کمیشن کے چیئرمین مرزا مظفر احمد اور مغربی اور مشرقی پاکستان کے گورنر موجود تھے۔

یوں تو اور بھی بہت سے مسائل اس اجلاس میں پیش ہوئے لیکن خاص طور پر ایک مسئلے کا ذکر میں یہاں کرنا پسند کروں گا۔ اور اس مسئلے کا تعلق مجھ سے گورنر مغربی پاکستان کی حیثیت سے بھی تھا۔ یہ مسئلہ تھا۔ لاہور سے خانیوال تک برقی ریلوے چلانے کا۔ اس کے لئے برطانیہ نے خصوصی امداد فراہم کی تھی۔ مجھ سے پوچھا گیا کہ "کیا خیال ہے"؟

میں نے چھوٹتے ہی ان سے یہ پوچھا "کیا یہ رقم زرعی منصوبوں کی طرف مخصوص نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہماری بنیادی ضرورت تو غلہ ہے"۔

کہا گیا کہ برطانیہ نے پیسہ صرف اسی مقصد کے لئے دیا ہے، اس لئے یہ ہمارے وقار کا مسئلہ بھی ہے۔ اور پھر یہ ٹرین ۱۵۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے گی۔ مسافروں کو بہت فائدہ ہوگا

میں نے بتایا کہ میرے ایک دوست بریگیڈیر عطا محمد اسی علاقے میں رہتے ہیں، وہ گذشتہ کئی برس سے اس ٹرین سے سفر کر رہے ہیں جو پچیس تیس میل فی گھنٹہ چلتی ہے اس نے کبھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اس ٹرین کی رفتار تیز ہونی چاہیئے، یہ تو ایک بڑے آدمی کی بات ہے۔

اس کے علاوہ عام طور پر اس ٹرین کے مسافر کون لوگ ہوں گے۔ آپ ذرا اندازہ کریں یہ برطانیہ کے وائٹ کالر (سفید پوش) والے تو نہیں ہوں گے۔ جو برطانیہ کی ٹیوب ٹرینوں کے مسافروں کی طرح اخبارات پڑھتے سفر کاٹیں گے، اس کے مسافر تو ہمارے غریب آدمی ہوں گے، بھوکے آدمی۔ جو اس برقی ٹرین کی کھڑکیوں سے سر نکال کر برقی کھمبوں کے خوف سے بالکل بے نیاز ہو کر نعرے لگائیں گے۔ ہائے آٹا، ہائے روٹی، ہائے آٹا، ہائے روٹی"۔

"ذرا تصور کیجیئے اس برقی ٹرین اور اس کے مسافروں کا" میں نے جب یہ بات کہی تو سب ہنس پڑے، میں نے اپنی بات جاری رکھی، پھر میں نے کہا کہ "سکھر میں بہت بڑا ٹرانسمیٹر اسٹیشن لگایا جا رہا ہے۔ اس کے لئے بھی میں نے کہا کہ ضرورت کا اندازہ تو لگا لیجئے۔ ہمیں اس وقت غلے کی ضرورت زیادہ ہے مگر ہم ٹرانسمیٹر نصب کر رہے ہیں۔ چلیئے ٹرانسمیٹر لگ گیا مگر آپ کیا ٹرانسمٹ کریں گے۔ یہی کہ ہمارے پاس اناج نہیں ہے لوگ بھوکے مر رہے ہیں"۔

میں نے کہا کہ پہلے لوگوں کے پیٹ تو بھر جائیں پھر اس کے بعد کوئی خوشخبری ہو تو انہیں ٹرانسمٹ کر کے سنائی جائے۔ میں نے کہا کہ ان باتوں کو ہنسی میں نہ ٹالا جائے۔ میں یہ باتیں پوری سنجیدگی سے کر رہا ہوں۔ مجھے صورتِ حال کا شدت سے احساس ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت خوراک نمبر ۱ ہے۔ ملکی دفاع کے بعد خوراک کا نمبر ہی ہے دفاع تو ملک کی سالمیت کے تحفظ کے لئے اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن اس کے بعد خوراک کا مسئلہ ہے۔ ذرا آپ اندازہ کیجئے کہ میں اس اجلاس سے لاہور واپس جاؤں تو مجھے میرا ملٹری سیکرٹری آ کر بتائے کہ ایک ہجوم مال روڈ سے گورنر ہاؤس کی طرف آ رہا ہے اور نعرے لگا رہا ہے "ہائے آٹا، ہائے روٹی" میں ملٹری سیکرٹری کی بات سن کر تیز تیز بھاگوں اور واپڈا ہاؤس کے پاس جا کر اس جلوس کو جا لوں۔ پھر درخت پر چڑھوں اور گورنر مغربی پاکستان کی حیثیت سے ان لوگوں سے کہوں :

"لوگو! تم روٹی اور آٹے کے لئے کیوں نعرے لگا رہے ہو۔ مژدہ ہو تمہیں، خوشخبری ہے تمہارے لئے کہ ہم تمہارے لئے لاہور سے خانیوال تک برقی ٹرینیں چلا رہے ہیں۔ ہم تمہارے لئے عظیم ٹرانسمشن سیٹ لگا رہے ہیں۔ اور تم صرف روٹی مانگ رہے ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

آپ بتائیں کہ اس تقریر کے بعد کیا میں گورنر ہاؤس میں اپنی پتلون سمیت واپس آ سکوں گا۔ اگر آ جاؤں تو مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہ ہو گا

موسیٰ صاحب یہ واقعہ سنا کر کچھ سوچ میں کھو گئے۔ پھر کہنے لگے "دیکھئے اس وقت حالات کیا تھے تقسیم کی مشکلات، پھر آٹے میں ملاوٹ۔ راشن ڈپو والوں کی گڑبڑ۔ ہر چیز پر نگاہ رکھنی پڑتی تھی۔ میں اس وقت اپنے دل میں سوچتا تھا کہ ہم نے خوراک کا انتظام کیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو غریب ہیں، بے گناہ ہیں۔ اس میں بھی ہمارے لوگ رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ خدا نے کہا ہے کہ نیک نیتی سے کام لو۔ ملاوٹ نہ کرو" یہ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے۔ کہ اس پر اختلافات ہو سکیں میں یہ سوچتا تھا کہ جب تک جذبہ نہ ہو اس وقت تک کنٹرول کرنا مشکل ہے۔ میں ناامید ہو گیا۔

اقتصادی کونسل کا اجلاس

انہی سوچوں کے درمیان میں نے ایڈیشنل چیف سیکرٹری ڈیولپمنٹ مسٹر بی اے قریشی کو بلایا میٹنگ دسمبر میں ہونا تھی۔ میں نے اُن سے کہا کہ ایک رپورٹ تیار کی جائے جو میں صدر کو براہِ راست بھیجوں گا۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہ رپورٹ کن خطوط پر ہونی چاہیئے۔ رپورٹ مختصر ہونی چاہیئے۔ طویل ہو تو کوئی اُسے پڑھنے کی زحمت نہیں کریگا۔ یہ لائنیں میں نے جو بتائیں وہ میری یادداشت کے مطابق کچھ یوں تھیں۔

رپورٹ کے دلائل

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی اہمیت اور باقی تمام مسائل پر فوقیت دفاع کو حاصل ہے۔ دفاع کے لئے ماہرین بتائیں کہ اس کے لئے کیا کیا ضرورت ہے کس قسم کی افواج درکار ہیں۔ اسلحہ کیا کیا چاہیئے۔ اس پر اخراجات کا جو اندازہ نکلے اُس کے مطابق رقم الگ کر دی جائے۔ خواہ وہ کتنی ہو۔ اس کے بعد حکومت کو فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کہ دفاع کے مسئلے کے بعد کس مسئلے کو فوقیت حاصل ہو گی۔ صنعت بھی، مواصلات بھی، زراعت بھی۔ ان میں سے کس کو کس پر فوقیت دی جائے اس کے لئے ایک کمیٹی بٹھائی جائے۔ وہ فیصلہ کرے کہ کس چیز کو فوقیت حاصل ہے۔ اس فہرست میں وضاحت

ٹرانسمیٹر سیٹ سے ہم بتائیں گے کہ ہم بھوکے ہیں

ہو کہ زراعت، خوراک وغیرہ کس نمبر پر ہوں۔ دفاع کے بعد پہلی اہمیت کس کو، پھر دوسری کس کو تیسری، کس کو۔ اس حساب سے سب کی رقم مختص کر لی جائے۔ فرض کیجئے کہ کمیٹی کے ماہرین خوراک کو نمبر ۲ دیتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ خوراک میں خود کفالت کے لئے اتنی رقم کی ضرورت ہے۔ اور زراعت پر یہ اخراجات ہونے چاہئیں۔ تو آپ کو اتنی رقم ضروری طور پر خرچ کرنی چاہیئے۔ اگر اس کے بعد آپ کے پاس کچھ بچے تو ٹھیک ورنہ وہ رقم کہیں اور خرچ کی جائے۔

میں نے یہ بھی لکھوایا کہ مجھے یقین ہے کہ میری رائے میں دفاع کے بعد خوراک کا نمبر ہونا چاہیئے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ وہ اس لئے کہ امریکہ اور دوسرے ممالک سے اگر آپ ٹینک مانگیں تو کوئی حرج نہیں۔ ان کے پاس فیکٹریاں ہیں۔ جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ مگر جب ہمارے پاس خوراک نہ ہو اور ہم دوسروں سے خوراک مانگیں یہ ہماری غیرتِ ملّی کے خلاف ہے کیونکہ ایک بنیادی طور پر زرعی ملک جو کہ پاکستان ہے اور جہاں آبپاشی کا بہتر انتظام ہے۔ جہاں کے کسان دُنیا بھر کے کسانوں سے بہتر اور محنتی ہیں۔ زمین ہے، پانی ہے۔ زراعت کے ماہر موجود ہیں۔ ہر کسان اپنی جگہ ماہر ہے۔ ایسے میں آپ کو صرف اسکے لئے پلیسہ مخصوص کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی اور فوقیت دیئے گئے مسئلے کے لئے پلیسہ نہیں بچتا تو ان مسائل کو رہنے دیں۔ کیونکہ اگر لوگ بھوکے ہیں تو یہ غیرت کے خلاف ہے کہ اپنے تمام وسائل کے باوجود ہم کسی سے خوراک مانگیں۔ اگر اناج باہر سے خریدنا پڑے تو اُس کی قیمت زرِ مبادلہ میں ادا کرنا ہوگی۔ اس پر نقل و حمل کا خرچ الگ ہوگا۔ اس کے بعد تقسیم کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور لوگ پھر بھی خوش نہیں ہوتے۔ اگر آپ خود کفیل ہیں تو بھیک مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نفسیاتی طور پر لوگوں میں قناعت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ حوصلہ بڑھے گا۔ اگر قوم بھوکی ہے تو آپ کیسے توقع کریں گے کہ یہ قوم فوج کے پیچھے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے۔ میں نے جب بھی باتیں کونسل کے اجلاس میں بھی کیں تو اس پر مرزا مظفر احمد ہنس پڑے۔ میں نے ان لوگوں کے سامنے مثال پیش کی کہ رمضان المبارک کے مہینے میں ہم چار بجے سحری سے لے کر مغرب کی اذان کے وقت تک بارہ تیرہ گھنٹے کا روزہ رکھتے ہیں۔ نہایت اطمینان سے دن گزارتے ہیں۔ افطار کے وقت کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن افطار کا وقت آ جائے، فرض کیجئے چھ بجے کا وقت ہو، اس کے بعد اگر موذن اذان نہ دے تو بڑی بے صبری ہوتی ہے۔ موذن کو کوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ یوں ہم ۱۴ گھنٹے تو انتظار کر سکتے ہیں لیکن وقت مقررہ کے بعد ایک منٹ بھی انتظار نہیں کر سکتے۔ یہی حال بھوکی قوم کا ہے۔ ممکن ہے وہ ایک خاص مدّت تک انتظار کر لے لیکن اس کے بعد انتظار مشکل ہے۔ اگر آپ یہ سوچتے ہیں تو آپ خوابِ غفلت میں ہیں۔ اس کے بعد وہ نکلیں گے اور سیدھے سڑکوں پر آ جائیں گے۔ پھر انہیں کوئی نہیں روک سکے گا۔ میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہُوئے کہا کہ اگر خوراک باہر سے مانگنے کی

بھوکی قوم
فوج کے پیچھے
سیسہ پلائی دیوار
کیسے بن سکے گی

ضرورت نہ پڑے۔ تو پھر آپ پہلے سے زیادہ ٹینک منگوا سکتے ہیں۔

کونسل کی میٹنگ کے لئے جو نوٹ ملا تھا اُس میں زراعت کے لئے تخصیص ۱۸ فیصد تھی۔ اور یہ جملہ بھی شامل تھا۔ زراعت اہم اور خوراک اہم ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے لئے رقم کی تخصیص نہیں کی گئی۔ میں نے اس کے لئے قریشی صاحب سے کہا تھا کہ اس میں اپنے نوٹ میں یہ لکھا جائے کہ یہ پیرا دوبارہ لکھا جانا چاہیے۔ یہ پیرا واضح طور پر بتاتے کہ خوراک میں خود کفالت ایک مقصد ہے۔ جسے ہم نے حاصل کرنا ہے۔ اور اسے حاصل کیا جائے۔ اور اس میں لاگت قیمت اور اخراجات کا فکر نہ کیا جائے کیونکہ مقصد خود کفالت کا حصول ہے۔ میں نے یہ نوٹ فدا حسن کو بھیجا جو ان دنوں ایوب خاں کے سیکرٹری تھے۔ وہ زندہ ہیں۔ اُن سے پوچھا جا سکتا ہے۔ ہم نے اُن سے درخواست کی کہ یہ صدر ایوب کو اقتصادی کونسل کے اجلاس سے پہلے ہی دکھا دیا جائے۔ پھر میں اجلاس کے لئے خود گیا۔ مجھے ایم ایم احمد انٹرکانٹی نینٹل میں ملے۔ یہاں شاید اصغر خان کی طرف سے کوئی تقریب تھی۔ اصغر خان ان دنوں پی آئی اے کے سربراہ تھے۔ اس تقریب میں ایوب خان بھی تشریف لائے تھے۔

ایوب خان نے مجھے بتایا کہ میں نے نوٹ پڑھا ہے۔ میں نے مظفر احمد کو نوٹ دے دیا ہے۔ بعد میں ایم ایم احمد نے کہا کہ جناب صدر نے مجھے نوٹ دے دیا ہے۔ اس کے لئے ہمیں کچھ کرنا پڑے گا۔

پھر کونسل کے اجلاس میں غور ہُوا۔ اگرچہ غور مختصر تھا لیکن انہوں نے اپنے پیرے میں ترمیم کی اور بتایا کہ یہ تخصیص ناکافی ہے۔ یہ کہا جائے کہ خوراک میں خود کفالت ضروری ہے۔ ہم یہ اجازت لے کر آ گئے، اب دوسرا مرحلہ آتا ہے۔

موبلائزیشن سکیم

اب اس کے بعد موبلائزیشن سکیم کی ضرورت تھی۔ جس طرح موٹر میں چابی لگتے ہی انجن چلنے لگتا ہے۔ اس طرح موبلائزیشن کی ضرورت تھی۔ کہ اناج سے متعلقہ تمام مشینری مکمل طور پر حرکت میں آ جائے مجھے یہاں اپنا دورۂ روس کا واقعہ یاد آتا ہے جب میں گورنر مغربی پاکستان کی حیثیت سے روس کے دورے پر گیا۔ یہاں ازبکستان میں وہاں کی گورنر سے ملاقات ہوئی۔ جو اچھی خوبصورت عورت تھی۔ اس خاتون نے بتایا کہ مرکزی حکومت نے ہمارے منصوبے سے ۳۰ لاکھ ٹن کپاس طلب کی تھی میں نے دریافت کیا۔ آپ نے پیدا کی؟ جواب ملا "ہاں کیوں نہیں۔" اس خاتون نے اس کی تفصیلات بتائیں، تو مجھے بھی حوصلہ ہوا کہ ہم بھی اگر ایک ٹارگٹ "مقصد" بنا لیں تو یقیناً اس منزل کو پا سکتے ہیں۔

بیج ہوائی جہاز سے منگواؤ، جنگ میں اسلحہ گنا نہیں جاتا

کیونکہ ہم ساری مشینری کو اس کے لئے حرکت میں لے آئیں گے"۔

موسٰی صاحب نے "موبلائزیشن سکیم" کی تفصیلات بتائیں:

۱- ضلع وار پیداوار کی مطلوبہ مقدار
۲- ٹیوب ویلوں کی پوزیشن
۳- واپڈا کا کردار
۴- یہاں واپڈا نہیں ہے وہاں بجلی کی ضرورت کا اندازہ

اس کے لئے ہمیں مکمل طور پر مصروف ہو جانے کی ضرورت تھی۔ لیکن کام کا اندازہ جو تھا اس کے لئے ایک مثال سُن لیجئے۔ ہمیں اری چاول کے بیج کی ضرورت تھی۔ یہ بیج فلپائن میں دستیاب تھا۔ مشرقی پاکستان سے جو بیج آیا وہ بہت کم تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ ہوائی جہاز سے لائیں تو فریٹ کے اخراجات زیادہ ہوں گے، بحری جہاز سے وقت پر نہیں آ سکے گا۔ سیکرٹری زراعت محمد امین خان میرے پاس آئے انہوں نے بھی کہا کہ بیج فلپائن سے آنا ہے۔ اس پر فریٹ کا خرچ بہت ہوگا۔

میں نے ساری بات سُن کر کہا کہ جنگ کے دَوران اسلحہ کو گنا نہیں جاتا۔ صرف دُشمن کو مارا جاتا ہے۔ کرایہ ادا کرو۔ اور اسے ہوائی جہاز سے منگواؤ۔ ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔ جنگ میں خرچ نہیں دیکھا جاتا۔

موسٰی صاحب نے بتایا کہ بیج فلپائن سے منگوایا گیا، اور کسانوں میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ہم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ کاشتکاروں کو پیداوار میں اضافے کے لئے کوئی محرک بھی ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے سوچ بچار اور غور و خوض کے بعد ہم نے طے کیا کہ اناج کی قیمت خرید مقرر کی جائے تاکہ لوگ پہلے سے اپنا اندازہ کر کے زیادہ بوئیں، یہ بڑا مشکل مسئلہ تھا اور اس کے ساتھ بڑا ضروری بھی، ہم نے تین برس تک کے لئے گندم کی قیمت ۱۷ روپے من مقرر کر دی۔ اب اس کا یہ فائدہ تھا کہ بونے والے تین سال تک مطمئن رہیں گے ورنہ اس کے بغیر کاشتکار بوتے وقت کشمکش و پیچ میں رہتے اس کا ایک اور پہلو یہ بھی تھا کہ اگر اور کوئی اسے نہیں خریدے گا، تو حکومت خود اس قیمت پر خریدے گی اس طرح اب کاشتکاروں کو انتہائی اطمینان ہو گیا اور انہوں نے کاشتکاری کی طرف پوری توجہ دی اور ہم نے اپنا معرکہ مار لیا۔

کھاد کی تقسیم

موبلائزیشن اسکیم میں کھاد کی تقسیم بھی ایک اہم مسئلہ تھا پہلے ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ کارپوریشن کی طرف سے کھاد تقسیم ہوتی تھی۔ اس کا طریق کار بہت عجیب تھا۔ دیہاتیوں کو دس دس میل کے فاصلے پر زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے مرکز میں جانا پڑتا وہاں جا کر جواب ملتا کہ پہلے پیسے بنک میں جمع کرواؤ۔ پھر بنک سرٹیفکیٹ دکھاؤ۔ بنک اور دس میں میل کے فاصلے پر ہوتا۔ اب بے چارے کسان کو وہاں جانا پڑتا اس طرح چالیس پچاس میل کے چکر کے بعد اسے بنک کا سرٹیفکیٹ ملتا پھر جا کر وہ کھاد کی بوری اٹھاتا۔ موسٰی صاحب کہنے لگے کہ یہ عجیب بات تھی۔ کہ بے چارہ کسان پیسہ بھی دے اور چالیس میل بھی چلے اس طرح کوئی پاگل ہوا ہے جو کھاد خریدے، اس طرح بہت کم لوگ کھاد استعمال کرتے۔

مرکزی حکومت کے بعض افسر عوام کو آٹا فراہم کرنے کی بجائے سفارتی افسروں کو میدہ سپلائی کرنے پر زور دے رہے تھے

خوراک بہت کم ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ کھاد کی تقسیم کا یہ نظام ختم ہونا چاہیئے، زرعی ترقیاتی کارپوریشن کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے ڈپوؤں کا انتظام کریں، جو وہیں پیسے لیں اور کھاد دیں۔ کھاد کی کمی ہے۔ ہمیں کھاد باہر سے بھی منگوانا پڑے گا اس لئے اس کی تقسیم کا انتظام زیادہ موثر ہونا چاہیئے میں نے کہا اس کی تقسیم زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے کھاد کی تقسیم ایسے اداروں کے سپرد کی جائے۔ جن کے پاس وسائل ہوں، مثلاً پاکستان نیشنل آئل اور ایسو وغیرہ ہوں ان کے ڈپو بھی جگہ جگہ ہیں۔

پھر یہ مقابلے کے جذبے کے ساتھ کام کریں گے۔ خود ہی اس کی پبلسٹی بھی کریں گے۔ منافع خوری کو روکنے کے لئے قیمت مقرر کر دی جائے۔ موسٰی صاحب نے بتایا کہ ان اداروں نے کھاد کی تقسیم نہایت خلوص اور جانفشانی سے کی، بارہ تیرہ مہینوں میں ۴۵ لاکھ ٹن غلہ پیدا ہو گیا۔ ۱۹۶۸ء میں ہمارا اندازہ تھا کہ ۲۰ لاکھ ٹن زیادہ یعنی ۶۵ لاکھ ٹن غلہ پیدا ہو گا۔ یہ مغربی پاکستان کی مکمل ضرورت بھی تھی۔

سیمینار

لائل پور میں ہم نے گندم پر ایک سیمینار منعقد کیا۔ اس میں امریکہ، فلپائن اور برازیل سے مندوبین شرکت کے لئے آئے۔ اس میں وہ شخص بھی آیا جس نے میکسی پاک گندم ایجاد کی اس کا نام جیسا کہ مجھے یاد ہے مسٹر بورلاگ تھا وہ برازیل حکومت میں گندم کا مشیر تھا۔ اس نے کہا کہ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ جس علاقے میں ۲۰ لاکھ ٹن گندم کم پیدا ہوتا ہے، وہاں اتنے مختصر عرصہ میں خود کفالت کی منزل بھی نزدیک آ جائے، برازیل نے اس سلسلے میں تیرہ برس صرف کئے، میں اس سے ملاقات چیت ہوتی۔ تو وہ کہنے لگا۔

"مسٹر گورنر! میں بہت متاثر ہوا ہوں، سب کچھ ناقابلِ یقین ہے"۔

میں نے کہا: "زمین اچھی ہے۔ لوگ اچھے ہیں۔ پانی بھی ہے، محنت اور توجہ کی ضرورت ہے۔ اب ہمیں صرف ٹیوب ویل اسکیم اور بجلی کے نظام کو منظم کرنا ہے۔ پھر انشاءاللہ اور بھی زیادہ پیداوار ہوگی"۔

موسٰی صاحب بتاتے تھے کہ ہم سوچ رہے تھے کہ ہم اس ماہر کو کیا تحفہ دیں۔ میں نے مغربی پاکستان کے وزیر زراعت ملک خدا بخش بچہ سے کہا کہ انہیں ایک خوشۂ گندم سونے کا بنا کر دے دیں۔ اور جب وہ تحفہ پیش کیا گیا تو اُس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ "تم اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دے سکتے تھے! یہی سب سے مناسب تحفہ تھا"۔

موسٰی صاحب بتانے لگے کہ مارچ ۱۹۶۹ء میں ہمارا اندازہ یہ تھا کہ ۷۰ لاکھ ٹن اناج پیدا ہوگا۔ اس کے بعد میں گورنر کے عہدے سے سبکدوش ہو گیا۔ جولائی یا اگست میں اسی سال کسی نے بتایا کہ پیداوار ۷۰ لاکھ سے ذرا سی کم ہے یہ بھی خوراک کے محاذ پر موسٰی صاحب کی جنگ، آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ اس میں کتنے کامیاب رہے؟



بلوچستان کے پہاڑ بھی بنجر ہیں اور چہرے بھی

محمود شام

اچکزئی صاحب کے ہاں سے اٹھے تو ہم، مشرق کے علی اختر رضوی، پی پی آئی کے فاروق معین اور الطاف رانا سردار اکبر بگتی کی طرف چل پڑے ان سے گیارہ بجے کا وقت طے تھا۔ مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے ہم بگتی صاحب کے مکان پہنچے، وہ اسی وقت ۹، ۱۳۷ ۱ کا ای سے اتر رہے تھے ڈرائنگ روم کا دروازہ گلی میں ہی کھلتا تھا۔ ایک چاق و چوبند بلوچی نے دروازہ کھولا۔ ہم اندر جا بیٹھے۔ سردار صاحب نے گھنٹی بجائی، ایک قبائلی گولی کی طرح تیزی سے آیا، حکم سنا، چلا گیا۔ جب بھی گھنٹی بجتی تھی گھنٹی کی آواز ختم ہونے سے پہلے یہ بلوچی۔ اپنی گھیر دار شلوار بڑی پگڑی اور گھنی داڑھی کے ساتھ آموجود ہوتا تھا۔ ہم نے اس ملاقات میں سردار صاحب سے جی بھر کے باتیں کہیں اور سردار صاحب نے بھی کسی تکلف کے بغیر ہماری سنی اور اپنی کہی لیکن یہ آپس کا شریفانہ معاہدہ تھا کہ یہ سب باتیں آف دی ریکارڈ ہیں۔ اس لئے ہم نے اسے اپنے تک ہی رکھا۔ نہ ان میں مروج مصالحہ لگایا۔ مگر ہمارے ایک ساتھی۔ جو ویسے ہم سے سینئر بھی ہیں۔ آف دی ریکارڈ کا مطلب بھی انہیں آتا ہوگا۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے پاس سے بھی مروج مصالحہ لگایا۔ "آف دی ریکارڈ کو "آن دی ریکارڈ" بنا دیا۔ پی پی آئی پریس ٹرسٹ پہلے ہی خاصا بدنام ہے انہیں نمغۂ حسن کارکردگی مل گیا ہو ویسے تو بظاہر کوئی فائدہ نہ ہوا خیر تم ایک گھنٹہ تک نواب صاحب سے بات چیت کر کے اٹھے اور بلدیہ ہاؤس کی راہ لی۔ بگتی صاحب کے گھر سے لے کر بلدیہ ہاؤس تک بلوچستان کی زندگی کے مختلف رنگ نظر آجاتے ہیں تانگے، رکشے مزدور نچے مضافات سے رزق کی تلاش میں آئے ہوئے غیور بلوچی کوئٹہ میں سمگلنگ کے بازاروں کے علاوہ تمام جگہوں پر ویرانی کا احساس ہوتا ہے۔ کوئٹہ میں پہلی بار آیا تھا میں نے اس کے متعلق بڑا حسین تصور قائم کر رکھا تھا۔ لیکن یہاں تو غربت پھوٹ پھوٹ پڑتی ہے بازاروں میں بڑا نفیس غیر ملکی کپڑا بکتا ہے۔ لیکن یہ بلوچستان کے کسی جسم پر دکھائی نہیں دیتا اور جانے آرائش و زیبائش کا کیا کیا سامان ان بازاروں میں بکھرا پڑا ہے لیکن بلوچستان کے چہرے

بازاروں میں

نفیس ترین کپڑا

جسموں پر چیتھڑے

ان سے پاک میں بلوچستان کے بنجر پہاڑوں کی طرح چہروں سے بھی ویرانی ٹپکتی ہے اور بلدیہ ہاؤس آگیا۔ جہاں چکیو بابو اور غفور بہت سی کہانیاں اپنے چہروں پر لئے موجود ہیں۔ دُنیا آتی ہے۔ اور چلی جاتی ہے۔ یہیں موجود ہیں۔ بلوچستان کی بہار بھی دیکھتے ہیں اور کپکپاتی سردی بھی جب برف گرتی ہے۔ اور کوئٹہ میں پھر وہی لوگ رہ جاتے ہیں جو یہاں برسوں سے رہتے ہیں جنہوں نے اس سنگلاخ زمین پر جنم لیا تھا۔ دوپہر گذر گئی ہے سہ پہر اپنے ساتھ خنکی لئے آرہی ہیں۔ حاجی فتح خاں کے شوروم پر کارکن جمع ہو رہے ہیں کوئٹہ میں رہتے، بلوچی، پٹھان، مہاجر، پنجابی۔ اور کوئٹہ کے علاوہ بلوچستان کے دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے کارکن۔ ان کے لباس مختلف ہیں، آنکھوں سے ایک سی مایوسی ٹپکتی ہے، چہرے پر ایک سا عزم ہے۔ یہ اس پسپتی ہوئی قوم کے فرد ہیں جو ۲۳ برس سے پس رہی ہے بلوچستان کی پیپلز پارٹی کے رہنما صدر امان اللہ گچکی، سیکرٹری۔ ذکاء اللہ لودھی۔ سعید عباس زیدی خازن حاجی اشرف قاضی فیض الحق امداد حسین بلوچ سب تشریف رکھتے ہیں۔ امان اللہ گچکی نے مائیک پر آکر معراج محمد خان کو خراج تحسین پیش کرکے۔ ان سے تقریر کی درخواست کی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ معراج محمد خان نے کوئٹے میں ہی پرورش پائی اور یہیں تعلیم حاصل کی وہ کوئٹہ والوں کے لئے نئے نہیں ہیں کوئٹے کو فخر ہے کہ معراج محمد خان جیسا جیالا رہنما اس شہر سے تعلق رکھتا ہے۔ معراج محمد خان نے تقریر شروع کی تو بھٹو صاحب بھی تشریف لے آئے کارکنوں نے تالیاں بجا کر ان کا خیر مقدم کیا حاجی اشرف کے بچے بھٹو صاحب سے ملنے کے لئے بیتاب تھے انہوں نے بھٹو صاحب سے ہاتھ ملایا۔ باقی بچے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔ ایک بچی نے جانے سے



مسٹر بھٹو کوئٹہ میں کارکنوں کے اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں



پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی میں خان عبدالصمد اچکزئی اپنا موقف پیش کر رہے ہیں



مسٹر معراج محمد خاں کوئٹہ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کے ہمراہ



"زنجیریں توڑو، تمہاری نہ سہی تمہارے بچوں کی تکلیفیں دور ہوں گی"

سوئی گیس "اسلام آباد تک جا پہنچی مگر سوئی کے غریب کو کیا ملا" (بھٹو)

انکار کر دیا اور وہ آخر تک بھٹو صاحب کے ساتھ اس طرح کھڑی رہی، جیسے باڈی گارڈ کھڑے ہوتے ہیں معراج محمد خان کی تقریر جاری تھی "بھٹو صاحب کا دل جب بھی دھڑکے گا۔ عوام خواہ پنجاب کے ہوں سندھ کے بلوچستان کے سرحد کے یا بنگال کے بھٹو صاحب کے نزدیک سب ایک ہیں۔ بلوچستان میں اگر جمہوری آزادی نہ دی گئی تو ہم اس کے لئے بھی اس طرح جدوجہد کریں گے۔ جس طرح دوسرے علاقوں کے لئے کر رہے ہیں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے ہمیں بہرحال نجات حاصل کرنی ہے۔ ہماری جمہوریت کا مقصد۔ اقتصادی آزادی ہے۔ ہم ملک کے کسی حصے کو علیحدہ نہیں ہونے دیں گے۔ اس ملک کو اگر متحد، رکھا جا سکتا ہے تو صرف سوشلزم کی بنیاد پر رکھا جا سکتا ہے۔ ہماری جدوجہد اقتصادی جدوجہد ہے ہمارے نزدیک سیاسی جدوجہد بھی اقتصادی جدوجہد ہے ہمارے عوام کو لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعے کچھ نہیں دیا گیا۔ صرف کالے انگریز پیدا کئے گئے ہیں دیہات میں روشن خیالی نہیں پھیلی۔ اور جب تک دیہات میں شعور پیدا نہ ہو۔ ہم آگے نہیں بڑھ سکتے قوم آگے نہیں بڑھ سکتی یہ کیا ظلم ہے کہ زمین کے بیٹوں کو زمین سے نکالا جا رہا ہے زمین تمہاری ماں ہے لوگوں اسے غاصبوں سے چھینو تحمل اور برداشت کی بھی حد ہوتی ہے ملک کی سلامتی کا مطلب بارہ کروڑ کی سلامتی ہے بارہ کروڑ افراد سلامت ہیں تو ملک بھی سلامت ہے ملک کی سلامتی کا عوام کی سلامتی کے علاوہ کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا"

معراج محمد خان کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے سرحد کے صدر جناب حیات محمد شیر پاؤ کو کارکنوں سے خطاب کی دعوت دی مگر ان کی طبیعت درست نہیں تھی اس لئے انہوں نے مائیک کے سامنے آ کر معذرت کی اور کہا کہ میں پھر کسی وقت آپ سے خطاب کروں گا۔ اس کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کارکنوں سے تاریخی خطاب کیا۔

بھٹو کا کارکنوں سے خطاب

"میں جون کی بارہ کو یہاں آیا تھا اور ایک عبوری کمیٹی بنائی تھی۔ عبوری عبوری کا لفظ ہم نے اتنا سنا ہے کہ اب پاکستان ہی عبوری بن گیا۔ عبوری زیادہ عرصے کے لئے نہیں ہوتی۔ اسی طرح عبوری حکومت بھی پانچ چھ ہفتے سے زیادہ کے لئے نہیں ہوتی۔ اب دو ماہ بعد اس عبوری کمیٹی کی بجائے میں یہاں مکمل کمیٹی بنا رہا ہوں۔ اسی طرح ہم عبوری حکومت کی بجائے مکمل حکومت چاہتے ہیں۔ جب ایک پارٹی کہتی ہے کہ اس کا کام عبوری کمیٹی سے نہیں چل سکتا تو حکومت کو بھی سوچنا چاہیئے کہ قوم کا کام عبوری حکومت سے نہیں چل سکتا، عبوری کی بجائے مکمل اور ٹھوس حکومت ہونی چاہیئے ہماری جماعت نے شروع سے لے کر اب تک عوام کی خدمت کی ہے۔ کسی خوف اور کسی اندیشے کے تحت یہ پارٹی اپنے موقف اور مقصد سے نہیں ہٹی پاکستان کی تاریخ میں کئی جماعتیں بنیں، یہاں میں قائداعظم کا ذکر نہیں کر رہا ہوں وہ تو اس وطن کے بانی تھے قائداعظم کے بعد سیاست خراب ہوتی گئی اور جب میں سیاسیات کا ذکر کرتا ہوں تو میں قائداعظم اور نہ قائد ملت دونوں میں سے کسی بزرگ رہنما کا ذکر نہیں کرتا۔ انہوں نے اپنے اور میں پاکستان کو مثالی ملک بنانے کی جدوجہد کی۔ پھر بعد میں مسلم لیگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئی، ایسی تقسیم ہو گئی کہ کوششوں کے باوجود متحد نہیں ہو سکی، میں تو کہتا ہوں کہ متحد ہونے دو، کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تین لاشیں ایک کفن میں اکٹھی کی جا رہی ہیں، یہ

"زمین تمہاری ماں ہے"

لوگو! اسے غاصبوں سے چھین لو" (معراج)

وہ مسلم لیگ ... جو قائد اعظم کو مسلم لیگ تھی، اگر قائد اعظم کی تین لاشیں

تھی، اگر قائد اعظم کی مسلم لیگ ہوتی تو یہ ملک کی خدمت کرتی۔ اب صرف مسلم لیگ کا نام رہ گیا ہے۔ نہ قائد اعظم کا منشور ہے اور نہ وہ پروگرام ہے۔ پھر مسلم لیگ سے ہی عوامی لیگ بنی۔ مسلم لیگ سے ... ری پبلکن ... پھر مسلم لیگ پھر ایک مسلم لیگ دوسری مسلم لیگ، تیسری مسلم لیگ۔ پی ڈی پی پھر جسٹس پارٹی، پھر تحریک استقلال، لیکن ان میں سے کوئی بھی عوامی پارٹی نہیں تھی، قائد اعظم نے عوام کو متحرک کیا تو، عوام کو ساتھ لے کر چلے تھے، اس طریقے سے ہماری ترقی ہو سکتی تھی برصغیر کے مسلمانوں نے ساتھ دیا۔ عوام کی حمایت حاصل ہوئی کیونکہ انہوں نے عوام کی بات کی تھی، بعد میں ان جماعتوں نے عوام کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور محلاتی سازشیں چلائیں، یہ کبھی نہ سوچا کہ عوام کیا چاہتے ہیں۔ اسمبلیوں میں تقریریں بڑی زوردار ہوئیں انگریزی اردو بنگالی میں لاجواب تقریریں، گھروں میں بیٹھ کر انہوں نے کبھی ایک نقشہ بنایا کبھی دوسرا نقشہ۔



مسٹر بھٹو غیور بلوچوں سے مُلاقات کر رہے ہیں

ایشیا کی سیاست میں کتنے موڑ آئے، دنیا کی سیاست میں کتنے انقلاب آئے، لیکن انہوں نے کوئی خیال نہ کیا، اپنی لالچ میں محدود رہے کوشش تک نہ کی کہ اپنے سے باہر نکل سکیں۔ انہوں نے ملک کو قرض میں ڈبو دیا ملک بھر میں بے چینی اور تعصب پیدا کیا۔ اپنی حکومت چلانے کے لئے لوگوں کو آپس میں لڑوایا۔ انہوں نے اپنی سیاست انگریزوں سے سیکھی تھی۔ انگریز عوام کو لڑواتے تھے کہ کسی طرح اپنی حکومت برقرار رکھ سکیں وہ پاکستان کی حکومت نہیں تھی غیر کی حکومت تھی۔ انہوں نے سوچا حکومت برقرار رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے ان ملکی آقاؤں نے بھی اپنی معیشت اور اور اپنی اقتصادیات کے مسائل کی طرف عوام کی توجہ

نہ ہونے دی، مختلف قوموں کو آپس میں لڑایا، مہاجر ہر ملک میں گئے ہیں۔ لیکن پانچ چھ برس بعد وہ اس ملک کے مقامی شہری بن گئے۔ ہمارے ملک میں اس مسئلے کا کوئی حل تلاش نہیں کیا، باوقار ملک کی سالمیت کا مسئلہ ابھی تک درپیش ہے۔ انصاف ہوتا تو یہ مسئلہ ختم ہو جاتا۔ اس مسئلے کو جان بوجھ کر اس لیے تو یہ مسئلہ ختم ہو جاتا۔ اس مسئلے کو جان بوجھ کر اس لئے حل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی حکومت چلانا چاہتے تھے۔ انہوں نے چھوٹی چھوٹی چالاکیوں سے کام لیا بلوچ، پٹھان، کو آپس میں لڑایا۔ پٹھان اور پنجابی کو لڑایا۔ الگ الگ سازشیں کروائیں، یہ سب پاکستانی کہلواتے ہیں، مسلمان کہلاتے ہیں، لیکن یہ تفریق رہتی ہے وہ صاحب! یہ صاحب یہ مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ بلوچستان کے مسائل حل ہو سکتے تھے اگر بلوچستان کے وسائل کو بلوچستان پر ہی استعمال کیا جاتا میں کہتا ہوں کہ اگر بلوچستان کو اور بھی وسائل مل گئے تو ان کو بھی ہپ ہپ کر کے ہضم کر جائیں گے۔ یہ سٹور کے نیچے یہ لوگ جہازوں میں اڑ کر سیدھے کراچی سے ان مقامات پر پہنچیں گے اور ان پر قبضہ کر لیں گے۔ پہلے بھی ایسا ہی ہوا ہے بلوچستان سے فلورائڈ نکالا، جاپان میں تو یہ فلورائڈ پانچ پونڈ میں مل جاتا ہے۔ لیکن کسی غریب بلوچی کے بیمار بچے کو فلورائڈ پانچ روپے میں بھی نہیں مل سکتا، حالانکہ فلورائڈ اس کی زمین سے نکلتا ہے کسی قوم کے وسائل اگر اس طرح لوٹے جائیں گے تو ملک غریب ہی رہ جائے گا۔ یہاں بلوچستان سے سوئی

باقی صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمائیں



کوئٹہ سے روانگی کے وقت ——— مقامی رہنماؤں کے ساتھ

افسانہ

ساجد منصور قیصرانی

قاسم چاچا

اختر کئی سالوں کے بعد اپنے گاؤں واپس آیا تھا سارے بستی والے اس سے ملنے آئے تھے۔ مگر اس کا اپنا چاچا قاسم غائب تھا۔ وہی چاچا قاسم جس کی پرچون کی دکان پر بیٹھ کر وہ اور اکبر اخبار پڑھا کرتے تھے وہ وقت بھی عجیب تھا۔ اس وقت وہ اور اکبر قریبی قصبہ کے انٹرمیڈیٹ کالج میں پڑھتے تھے۔ ہر شخص اپنی مستی میں غرق تھا۔ وہ صبح سویرے اکٹھے سائیکل پر کالج جاتے اور پھر سہ پہر کو لوٹ آتے۔ مگر دفعتاً ملک میں ایوبی آمریت کے خلاف آواز اٹھی اور چاروں طرف پھیل گئی۔ جس قصبہ میں وہ زیر تعلیم تھے وہ بڑے شہروں سے الگ تھلگ تھا۔ اور وہاں تقریباً ہمیشہ سکون رہتا تھا۔ وہاں صرف ہنگاموں کی خبریں پہنچا کرتیں مگر کوئی ہنگامے نہ ہوتے۔ مگر اس دفعہ تو یہ سیلاب اتنا شدید تھا کہ اس نے اس چھوٹے سے قصبہ کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر روزانہ جلسے جلوس ہونے لگے اس قصبہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بعض طلبا کو جلوس نکالنے اور آزادی مانگنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ اور اکبر جلوسوں میں شریک تو ہوتے تھے مگر گرفتاری سے بچ گئے۔ اس کے بعد حکومت نے تعلیمی ادارے بند کر دیئے اور وہ دونوں گھر آ گئے۔

پھر تو ان کے دن اور راتیں چاچا قاسم کی دکان پر بسر ہونے لگیں چاچا قاسم اس بستی میں زمیندار صاحب کے بعد اکیلا آدمی تھا۔ جو اخبار منگایا کرتا تھا۔ اس کی دکان پر ریڈیو بھی تھا۔ بستی کے لوگ جب بھی کام کاج سے فارغ ہوتے چاچا قاسم کی دوکان پر پہنچ جاتے۔ اس سے اخبار کی تازہ خبریں سنتے اور وہیں بیٹھ کر حقہ بھی پیتے رہتے چاچا قاسم بھی عجیب آدمی تھا۔ شہر سے جتنا بھی تمباکو بیچنے کو لاتا لوگوں کو مفت پلا دیتا۔ جب سے کالج بند ہوا ان کا بھی بیشتر وقت اسی کی دکان پہ گذرتا چاچا قاسم بھی حکومت کے خلاف باتوں میں ان کی حمایت کرتا اس لئے قدرتی طور پر وہ اسے چاہنے لگے تھے جب چاچا چاچا قاسم اپنے گاہکوں کے ساتھ مصروف ہوتا تو وہ اس کی لڑکی شمو کے ساتھ قطار کھیلتے تھے قطار جو بستی کا عجیب و غریب اور واحد کھیل تھا

اور ہاں شمو بھی تو اس سے ملنے نہیں آئی۔ چاچا کہا کرتا تھا کہ بس دو ڈھائی سال میں اس کا بیاہ کر دوں گا۔ اور پھر دکان بیچ کر ایران کے راستے حج پر چل پڑوں گا۔ ساری زیارتیں بھی ہو جائیں گی اور حج بھی کر لوں گا۔ شاید شمو کا بیاہ ہو گیا ہو گا۔ اور چاچا قاسم حج پر چلا گیا ہو گا۔ اور یہی بات ٹھیک ہے ورنہ چاچا قاسم اسے ملنے تو ضرور آتا" اختر نے کئی بار کسی سے اپنے اس مفروضہ کی تصدیق کرنے کی کوشش کی۔ مگر آتے جاتے ملاقاتیوں کی وجہ سے اسے کسی سے پوچھنے کا موقع نہ ملا اور وہ صرف سوچتا ہی رہا۔

شام کو ملاقاتی آنے بند ہوئے تو نہا دھو کر باہر نکلا۔ اس نے سوچا کہ اکبر کو ساتھ لے کر باہر گھومے اس نے گھر سے نکل اکبر کے دفتر کی راہ لی۔ شام کا وقت تھا۔ آسمان پہ ہر طرف سرمئی بادل پھیلے ہوئے تھے۔ سورج کبھی بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا تو زمین پر سایوں کے سفینے تیرنے لگتے۔ اس نے سوچا اکبر کتنا خوش قسمت ہے ایف اے کرتے ہی یونین کونسل کا سیکرٹری بن گیا اور پھر تعیناتی بھی اپنے ہی گاؤں میں ہو گئی وہ روزانہ ایسے خوبصورت مناظر سے لطف اندوز ہوتا ہو گا۔ صبح سویرے لہلاتے کھیتوں کے درمیان سیر کرتا ہو گا۔ خالص اور سادہ غذا کھاتا ہو گا اور وہ خود تو شہر میں کلرک بن کے بڑے گھاٹے میں رہا۔ فائلوں سے نکلنے کی فرصت بھی نصیب نہیں ہوتی اور پھر ناخالص ہوا، خراب غذا منافق لوگ بھیانک مصاحب غرض کس کس چیز کا رونا روئے چاچا قاسم کی دوکان والے موڑ پر پہنچ کر اس کی توجہ دکان کی طرف منتقل ہو گئی۔ اس نے دیکھا۔۔۔ ایک شخص اس کی طرف بیٹھ گئے۔ دوکان کی دیوار پر گارے کا پلستر کر رہا تھا۔ مگر وہ چاچا قاسم ہرگز نہ تھا۔ چاچا تو ہٹا کٹا آدمی تھا۔ اور بڑا خوش لباس تھا اور یہ تو دبلا پتلا مریل سا آدمی تھا۔ جس کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے تھے اب اختر کو یقین ہو گیا کہ چاچا شمو کا بیاہ کر کے حج پر روانہ ہو گیا۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔ اور دل میں سوچا کہ اکبر سے مکمل تفصیل معلوم کرے گا۔

اختر جب اکبر کے دفتر میں پہنچا تو وہ تیار ہو کے باہر نکل رہا تھا دونوں دوست مسکراتے ہوئے ملے۔ اکبر نے پوچھا" کہاں کے ارادے ہیں"؟

"بس یار ذرا گھومتے ہیں" اختر بولا

اور پھر دونوں دوست چل پڑے اختر نے چلتے چلتے پوچھا "کیا چاچا قاسم حج پر روانہ ہو گیا"

"نہیں تو یہ نہیں ہے کیا تم نے اسے نہیں دیکھا"

"نہیں وہ تو ملا نہیں"

"اچھا تو لو سب سے پہلے اسے ملتے ہیں"۔

وہ دیکھو نئی صبح آرہی ہے

دونوں چاچا کی دوکان کی طرف چل دیئے جب قریب پہنچے تو وہی آدمی گارا ہاتھ میں لئے برابر دیوار پر تھوپ رہا تھا۔ اکبر نے اختر کو بتایا کہ یہی چاچا قاسم ہے بے چارے کو اپنے اعمالوں کی سزا ملی ہے سوشلسٹوں کے ساتھ بہہ گیا تھا۔ جو کافر ہیں اور خدا کو نہیں مانتے اب سزا بھگت رہا ہے"

اختر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا وہ چاچا قاسم کی حالت دیکھ کر حیران تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر چاچا قاسم سے ملنا چاہا، مگر اکبر نے پیچھے کھینچ لیا۔

"پاگل ہو گیا ہے" اکبر نے اسے بتایا

"پاگل" اختر کی زبان سے مشکل سے نکلا۔ اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھنے لگا۔

اکبر آگے بڑھا اور کہنے لگا "کیا کر رہے ہو چاچا"

"تمہیں پتہ نہیں وہ تھانیدار میری شمو کو اٹھانے آرہا ہے وہ دیکھو مگر اب میری شمو اس کے پاس نہیں جا سکتی۔ اب میں اسے باہر نہیں نکلنے دونگا سارا دن سوئی رہتی ہے"۔ اور وہ خاموش ہو گیا کچھ دیر ادھر ادھر دیکھتا رہا، پھر اس نے دونوں ہاتھوں میں گارا اٹھایا، اسے دیوار پہ لگایا اور بولا۔

"پہلے ادھر سے انہوں دیوار توڑ دی تھی شمو کو اٹھانے کے لئے مگر اب تو میں نے دیوار پکی کر دی ہے نا اب تو دیوار پکی ہو گئی، ابھی اس کو اور پکا کروں گا۔ اور پھر جب ہماری حکومت ہو گی۔ جب عوامی راج ہو گا، پھر میں اس پکی دیوار کو گرا دوں گا۔ پھر شمو باہر نکل آئے گی۔ پھر کوئی تھانیدار شمو کو اٹھانے نہیں آئے گا۔ ابھی سوئی رہ چپکے سے سوئی رہ ابھی نہ اٹھ۔ ابھی تھانیدار لیٹروں کے ساتھ پھر رہا ہے۔ پھر تمہارا جہیز لوٹ لے گا چپ چاپ سوئی رہ اور انتظار کر اس صبح کا جب ہماری حکومت ہو گی۔ جب میں ان سب کو ہاں ان سب کو۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

چچا قاسم جو اب پاگل قاسم بن چکا تھا۔ بولتا رہا۔ اور اکبر اختر کا ہاتھ پکڑ کر گاؤں سے باہر چل دیا گاؤں سے نکل کر وہ وسیع کھیتوں میں پہنچ گئے۔ اور سر سبز لہلہاتے کھیتوں میں چلنے لگے۔ اختر حیران تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے ایسا خوش باش آدمی پاگل ہو سکتا ہے مگر حقیقت اپنے بھیانک روپ میں سامنے تھی کافی دیر دونوں خاموش چلتے رہے۔ آخر اختر نے مہر سکوت کو توڑا

"اکبر یہ سب کیسے ہوا؟ کب ہوا؟ الفاظ اس کے منہ سے بڑی مشکل سے نکلے اس کا گلا چپ ہو چکا تھا۔

اکبر کچھ دیر تک خاموش اس کے ساتھ چلتا رہا حتی کہ مٹی کا ایک ٹیلہ قریب آگیا جہاں بیٹھ کر سارا گاؤں دکھائی دیتا تھا۔ قریب پہنچ کر وہ دونوں اس ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ اس طرح گویا وہاں بیٹھنے کا فیصلہ کر کے گھر سے چلے ہوں اور پھر اکبر نے اسے چاچا قاسم کی بربادی کا قصہ سنانا شروع کیا۔

"پاگل قاسم کی داستان ان دلوں سے شروع ہوتی ہے جب حکومت نے ملک میں انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ ملک میں دو قسم کی پارٹیاں بن گیئں۔ ایک تو وہ جو نظریہ پاکستان کی حامی تھیں اور دوسری وہ جو سوشلزم کا پرچار کر رہی تھیں۔ ہمارے زمیندار صاحب کے گھر جو آدمی بڑی بڑی داڑھیوں والے آ کے ٹھہرے تھے وہ کہتے تھے کہ "یہ سوشلزم والے سالے خدا کو بھی نعوذ باللہ نہیں مانتے"۔ بس پھر اس بات کا سننا تھا کہ سارا گاؤں "ان سوشلزم والے سالوں" کے خلاف ہو گیا۔ مگر چاچا قاسم نے اپنی دوکان پر ان سوشلسٹوں کا جھنڈا لگا دیا۔ اس پر زمیندار صاحب کو بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے چاچا کو بلا کر بڑا دھمکایا خود میں نے بھی قاسم چچا کو سمجھایا مگر وہ کسی کی نہ مانا اپنے موقف پہ ڈٹا رہا۔ اور پھر ہم نے سنا کہ اور لوگ بھی چپکے چپکے اس کے ساتھ مل رہے ہیں اور پھر ایک دن اس نے یہ بھی دوکان پر لکھ دیا کہ "روٹی کے رہے گا۔ ہر انسان روٹی کپڑا اور مکان" بے وقوف تھا۔ اس کو یہ خبر نہ تھی کہ ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو قسمت میں لکھا ہے ووٹ ہوئے تو ہمارے بڑے زمیندار صاحب بھی صوبائی اسمبلی کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نتیجہ نکلا تو لوگ ہمارے زمیندار صاحب کے خلاف چپکے سے سوشلسٹوں کو ووٹ دے آئے۔ یہ سب اسی قاسم چچا کا کیا کرایا تھا۔ بے دینوں کے ساتھ ہو گیا۔ اب اللہ تعالےٰ نے بھی بدلہ لینا تھا۔ قسمت سے تھانیدار تبدیل ہو گیا اور نیا تھانیدار زمیندار صاحب کا دوست آ گیا سنا ہے یہ ان کا پکا دوست ہے زمیندار صاحب نے جب انگریزوں کی طرف سے الیکشن لڑا تھا۔ تو اس نے ان کی کوئی مدد کی تھی پھر جب پاکستان بن گیا۔ تو اپنے زمیندار صاحب نے اسے ترقی دلوا کے ہیڈ کانسٹیبل بنا دیا تھا اور پھر ایوب خان کی حکومت نے اسے اے ایس آئی بنا دیا تھا۔ اور جب ہم کالج میں پڑھتے تھے۔ تو یہ بھی اسی قصبہ میں تھا، یہ وہی ہے جس نے ہمارے کالج کے جلوس نکالنے والے لڑکوں کو پیٹا تھا۔ اب تو بڑا تھانیدار بن گیا ہے۔"

"اس تھانیدار کے آنے سے کچھ دن پہلے قاسم چچا نے اپنی دوکان بیچ دی اور شمو کی شادی رتو کے ساتھ طے کر دی اور خود شادی کے بعد حج پر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر جس سے اللہ ناراض ہو وہ بھلا کہاں حج پر جا سکتا ہے۔"

شادی سے تین دن پہلے ایک دن شمو کسی کے ساتھ بھاگ گئی، ساتھ زیورات بھی لے گئی مگر سنا ہے اسی تھانیدار نے اسے اغوا کرایا ہے وہ لوگ اسے دکان کی دیوار توڑ کر لے گئے کسی کو پتہ نہیں چلا سب لوگ سوئے ہوئے تھے بے چاروں کے ساتھ بہت برا برا ہوا اور معصوم شمو تو مفت ماری گئی۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے وہ بھی ماری گئی سنا ہے کہ کہیں دھندا کرتی ہے، کام تو یہ بہت برا ہوا، مگر مولوی صاحب آئے تھے وہ کہتے ہیں۔ "کہ بے دینوں کو مارنا جائز ہے، بہر حال کچھ بھی ہوا، اس کو تو بے دینی کی سزا مل گئی۔ اللہ ہم سب کو بچائے۔"

"بس اب بے چارہ پاگل ہو گیا ہے، سوشلسٹوں کی حکومت کے خواب دیکھ رہا ہے کہتا ہے۔ کہ عوامی حکومت آئے گی۔ تو زمیندار اور تھانیدار سے بدلہ لوں گا، پاگل کہیں کا۔"

اکبر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اس نے اختر کی طرف دیکھا وہ کسی اور دنیا میں کھو گیا تھا۔ اور افق کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے کسی چیز کی آمد کا منتظر ہو اور پھر اکبر کو ایسے محسوس ہوا کہ اختر بھی پاگل ہو گیا ہے اور واقعی وہ پاگل ہو چلا تھا وہ چیخ رہا تھا۔ "ہاں۔ ہاں چچا قاسم سچ کہتا ہے۔ اب یہ رات گذرنے والی ہے۔ دیکھو نئی صبح آرہی ہے۔"

کھیلنے والوں کے ساتھ ایک ٹیم دیکھنے والوں کی بھی جارہی ہے

لطافت علی صدیقی

گذشتہ مضمون میں پاکستان ہاکی ٹیم کے کھلاڑیوں کے انتخاب کے بارے میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ جو ۱۵ اکتوبر سے بارسلونا کے عالمی مقابلے میں حصہ لینے کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔ روانگی سے قبل قومی ہاکی ٹیم میں کچھ اس تیزی سے الٹ پھیر اور فیصلے میں تبدیلیوں کا معجزہ رونما ہوا جو اس سے قبل میرے علم میں نہ آیا تھا۔ ایک دن خبر آئی۔ اولمپک رائٹ ہاف سعید انور کو سرکاری ڈاکٹر نے بالکل موزوں قرار دے دیا۔ دوسرے روز کی خبر پہلی خبر سے مختلف تھی کھیل کے دوران چوٹ لگ گئی۔ اس کے بعد جو خبر شائع ہوئی اس سے پتا چلا کہ سعید انور کو ٹیم میں شامل نہیں کیا گیا ابھی سعید انور کا مسئلہ تازہ تھا کہ اچانک ایک دوسری سنسنی خیز خبر ملی۔ پاکستان ہاکی فیڈریشن اولمپین فل بیک ریاض الدین کو شامل کرنا چاہتی ہے اور منتخب فل بیک اختر الاسلام کو ٹیم سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔ ان خبروں سے ہاکی کے حلقوں میں ملے جلے تاثرات پیدا ہوئے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بالآخر ریاض الدین کی کمی محسوس کی گئی اور اُسے ٹیم میں شامل کر لیا گیا۔ کچھ کے تاثرات تھے کہ آخری لمحے اختر الاسلام کو ٹیم سے نکالنے کا فیصلہ ایک نوجوان کھلاڑی کے مستقبل کو تباہ کر دے گا۔ کچھ نے کہا۔ "اختر الاسلام کے ساتھ فیڈریشن کا یہ سلوک ہتک آمیز ہے۔"

دوسرے دن پاکستان ہاکی فیڈریشن کے چیف نے ریاض کو ٹیم میں شامل کرنے کے فیصلے کی تصدیق کر دی۔ ریاض الدین پاکستان ہاکی ٹیم میں شمولیت کے لئے کراچی سے لاہور روانہ ہو گئے۔ ۲۰ ستمبر کو ایک مختلف کہانی سامنے آئی۔ پاکستان ہاکی فیڈریشن نے دوبارہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی۔ اور ریاض کو ٹیم سے خارج کر دیا۔ یہ بالکل وہی صورت حال تھی جو قومی ٹیم کے کھلاڑیوں کے انتخاب کے وقت تھی۔

ان حالات میں جب کہ بلی چوہے کا کھیل جاری ہو، لوگ دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری ٹیم کو شرمناک شکست سے محفوظ رکھے اور اسے فتح نصیب کرے۔"

پاکستان ہاکی ٹیم کے کھلاڑیوں کے انتخاب میں جو طریقہ اختیار کیا گیا اس سے تذبذب اور خدشات کا جنم لینا ایک فطری امر ہے۔ اس بارے میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہو چکے ہیں، ہاکی کے حلقے میں کئی بار چہ میگوئیاں ہو چکی ہیں۔ ان عہدیداروں کے بارے میں یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ وہ ایسے موقع پر ٹیم کے ساتھ غیر ملکی دورے پر جانے کے لئے کیا کیا ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں۔ بارسلونا جانے والی قومی ٹیم بھی اس حادثہ جانکاہ سے یقیناً محفوظ نہ رہی اگر

اب ہاکی ٹیم کے لئے دُعا کے علاوہ کچھ نہیں کیا جاسکتا

ان کی تعداد معلوم کرنا چاہیں تو شاید اعداد ۱۱ تک پہنچ جائیں۔ ٹیم کے ساتھ مینجر مسٹر جعفری بھی ہیں اس کے علاوہ ڈاکٹر وقار زیدی بھی ہیں۔ جو اس سے قبل تہران جانے والی باکسنگ ٹیم میں بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر وقار زیدی پیشہ ور عہدیداروں سے خاصے ملے جلے ہوئے ہیں۔

ماسٹر اقبال بین الاقوامی امپائر کی حیثیت میں گئے ہیں مسٹر علی اقتدار شاہ دارا بارسلونا میں بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن کی میٹنگ میں پاکستان کی نمائندگی کریں گے۔ واضح رہے کہ یہ وہی موصوف ہیں۔ جن کے خلاف لاہور کے عوام نے زبردست مہم شروع کی تھی کہ وہ قومی ہاکی کے مفادات کے خلاف کام کر رہے ہیں جب سب ہی بارسلونا کی طرف کوچ کرنے کی تیاری کر رہے تھے تو پھر قومی انتخاب کے چیئرمین مسٹر اختر جمیل عزیز اور پاکستان ہاکی فیڈریشن کے سیکرٹری مسٹر خورشید زمان کیوں کسی سے پیچھے رہتے، مسٹر جمیل عزیز بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن کونسل کی میٹنگ میں شریک ہوں گے۔ جو بارسلونا میں بین الاقوامی مقابلوں کے درمیان میں منعقد ہو گی۔ یہاں ایک بار پھر اس کی وضاحت ضروری ہے کہ مسٹر جمیل عزیز یہ نمائندگی، ایم ایم عاطف کی جگہ کریں گے۔ جو بین الاقوامی ہاکی فیڈریشن میں پاکستان کے منتخب نمائندے ہیں بریگیڈیئر عاطف ان دنوں سرکاری فرائض انجام دینے میں مصروف ہیں

مسٹر خورشید زمان جیوری کا خالی عہدہ پورا کریں گے مشرقی پاکستان سے بھی دو عہدیدار گئے ہیں۔ یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوتا۔ بعد میں پاکستانی ہاکی فیڈریشن مزید ۵ اضافی کھلاڑیوں پر مشتمل ایک ٹیم روانہ کرے گی، جس میں تین کھلاڑی مغربی پاکستان اور دو کھلاڑی مشرقی پاکستان سے ہوں گے ان کا کام بین الاقوامی کھیل کے دوران کھلاڑیوں کے کھیل کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اس کا مقصد نئے کھلاڑیوں کو کھیل کی جدید تکنیک سے روشناس کرانا ہے۔ لیکن آپ کو یہ سن کر شاید حیرت ہو گی کہ اس مشاہداتی ٹیم میں ایک سابق منتخب کھلاڑی مدثر بھی شامل ہیں جو اب سبکدوش ہونے کے قریب ہیں۔ نئے کھلاڑیوں کے کوٹا میں ایک پرانے کھلاڑی کو بھیجنے کا فیصلہ، یقیناً ایک احمقانہ فعل ہے۔

وہ عوام کے لئے شعر کہتا ہے

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

مجموعہ کا نام

عہدِ ستم

شاعر کا نام —— حبیب جالب
صفحات —— ۵۶
قیمت —— ۲ روپے
ملنے کا پتہ —— پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور

سرِ مقتل کا شاعر عہدِ ستم پر رکا۔ یہ قیام مختصر ہوگا۔ اس کا شعری سفر مسلسل حرکت میں ہے، مسلسل حرکت میں رہے گا۔ کیونکہ اس کے ارد گرد پھیلے ہوئے مایوس اور ستم رسیدہ انسانوں کے گرد آلود چہرے اور عام لوگوں کی زندگی کی کٹھن مسافتیں اسے اپنے ساتھ لے کر چلتی ہیں، وہ رُکتا ہے تو لمحہ بھر کو مشاہدے کے لئے، تجربے کے لئے، انسانی دکھوں کو سمیٹنے کے لئے، جو اس کی شعری تخلیق میں ڈھل کر باہر آتے ہیں، پھر وہ آگے کو گرد آلود چہروں کے ہجوم کے ساتھ چل پڑتا ہے۔

حبیب جالب اپنے شعروں کے ذریعہ تھکے ہوئے انسانی قافلہ کو نیا عزم اور نیا ولولہ بخشتا ہے، وہ انہیں آگے بڑھنے اور مسلسل حرکت میں رکھنے کے لئے شعر کہتا ہے

؎ چل پڑا ہے صبح کی جانب ہمارا کارواں
سامنے ٹھہریں گے کیا ایوانِ شب کے پاسباں

حبیب جالب عوام میں سے ہے، اس کی تخلیق کے کرب میں عوام کا کرب مسلسل شامل ہے، وہ اپنے لئے شعر نہیں کہتا، نہ ہی دانشوروں کے ایک مخصوص طبقے کو رجھانے اور خوش کرنے کے لئے جن کی پسند یا ناپسند تخلیق کار کو بلندی اور پستی کے درجے بخشتی ہیں، اس کے شعر عوام کے لئے ہیں، وہ اردو کا پہلا شاعر ہے جو آسمان سے اتر کر زمین پر آیا اور جس نے زمین کی مٹی، کھیت، ہل، کارخانے، دھواں اگلنے والی چمنی اور محنت کشوں کے مشقت بھرے جسموں کو اپنا موضوع بنایا۔ ایوبی دورِ آمریت میں جب بڑے بڑے جغادری ادیب اور شاعر ایوب خان کی مداح سرائی میں مصروف تھے۔ اور سالانہ گرانٹ کے ذریعہ اپنے بنک بیلنس میں اضافہ کر رہے تھے تو یہ قلندر شاعر ہر چیز سے بے نیاز عوام کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔

حبیب جالب عوام دوست سوشلسٹ شاعر ہے، اسے عوام دوستی کے جرم کی سزا بھی بھگتنی پڑی، جیل یاترا بھی کرنا پڑی، مگر وہ عالمی سامراج، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے خائف نہیں، عہدِ ستم کی نظمیں اس کے عزم کا پتا دیتی ہیں۔ اس جرم میں اگر دار و رسن سے گذرنا پڑے تو وہ ؎

کسی سنگدل کے در پر میرا سر نہ جھک سکے گا
میرا سر نہیں رہے گا مجھے اس کا ڈر نہیں ہے
کہتا ہوا گذر جائے گا۔

یہ شعری مجموعہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ۲۹ نظمیں اور قطعات شامل ہیں، ان کا رسمی تعارف جناب ابنِ مغل نے کرایا ہے، کتابت و طباعت خوبصورت ہے اور اس کی قیمت ۲ روپے ہے۔

رسالہ کا نام —— منبر الاسلام کراچی
مدیر —— حافظ محمد اسماعیل
قیمت فی پرچہ —— ۵۰ پیسے
ملنے کا پتہ —— منبر الاسلام ۵ شاہ ولی اللہ روڈ کراچی

ایک ایسے دور میں جبکہ چاروں طرف سستی اور تفریحی قسم کے رسالوں، ماہناموں اور سنسنی خیز ڈائجسٹوں کا زور ہے، ایک خالص دینی، علمی اور ادبی ماہنامہ نکالنا ایک جرأت مندانہ قدم ہے۔ اس رسالے کے اجراء کا اعلان ایک سال قبل کیا گیا تھا۔ لیکن چند ناگزیر وجوہ کے سبب یہ رسالہ ایک سال بعد شائع کیا گیا۔ یہ منبر الاسلام کا پہلا شمارہ ہے اس شمارہ کے چند مضامین خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ ہیں، اداریہ میں کالجوں کے طلبا اور دینی مدارس کے متعلمین کو اپنے افکار و مسائل پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ کتابت اور طباعت پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

کتاب کا نام —— قاضی صاحب
مرتبہ —— سید امین شاہ جیلانی
صفحات —— ۱۰۰
قیمت —— دو (۲) روپے
ملنے کا پتہ —— حیرت شملوی اکادمی، رحیم یار خان

یہ کتاب پرانے احراری رکن، خطیب، واعظ، ادیب اور فاضل جناب قاضی احسان احمد کی نگارشات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں رئیس امروہوی کا ایک قطعہ درج ہے

رئیس ایسے عظیم انسان اب کہاں اس معاشرے میں
غریقِ رحمت کا سال "ماتم غریقِ رحمت" پیدا ہوا ہے۔

سید انیس شاہ جیلانی نے اپنی ابتدایہ میں قاضی صاحب کی زندگی اور ان کے سیاسی نظریات پر ہلکی سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے ضرورت اس بات کی تھی کہ قاضی صاحب کے سیاسی اور دینی نظریات و اعتقادات پر بھرپور انداز سے بحث کی جاتی تاکہ کتاب کے مطالعہ سے قاضی صاحب کے بارے میں تمام باتیں واشگاف ہو جاتیں اور پڑھنے والے ان کی قدر و قامت کا اندازہ آسانی سے لگا لیتے کتابت و طباعت اچھی ہے

"ہم مقابلہ کریں گے ہمیں تو مزا آتا ہے مقابلہ کرنے میں"

صفحہ ۳۰ سے آگے

گیس نکلی تھی تو اس سے سوئی کے غریبوں کو کیا ملا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا۔

اب پاکستان کو کوئی ضرورت نہیں رہے گی، اب بڑی ترقی ہو گی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اس سے کیا مل رہا ہے، سوئی سے غریبوں کو کیا مل رہا ہے۔ سوئی یہاں سے کراچی، لائل پور، لاہور، اسلام آباد تک جا پہنچی مگر سوئی کے غریبوں کو معلوم نہیں کہ سوئی نے کیا چیز دی مجھے معلوم ہے کہ ہمارے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں سندھ کے سیاستدان اپنے مکانوں میں کیا سازشیں کر رہے ہیں رات دن سازشیں ہو رہی ہیں کہ ہم پیپلز پارٹی کو ناکام بنا دیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہم نے ناکام رہے تو آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔ اخبارات ہمارے خلاف لکھ رہے ہیں آپس میں نفرت پھیلا رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ سب لوگ ہر جگہ خوشی سے فخر سے رہ سکتے ہیں، ملک سب کا ہے۔ پاکستان سب کے لئے بنا ہے۔ جو اسلام اور سوشلزم کا قائل ہے، اس کا ذہن ان صوبائی تعصبات کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔ اسے غریبوں کے بچو! خبردار رہو۔ یہ سازش پیپلز پارٹی کے خلاف نہیں ہے آپ کے خلاف ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر پیپلز پارٹی ناکام ہو گئی تو کیا سرمایہ داروں کی حکومت آ جائے گی۔ نہیں ہرگز نہیں، آپ تاریخ کو پیچھے نہیں لے جا سکتے۔ آپ کو شکست نہیں دی جا سکتی، اب عوام سرمایہ داروں کو نہیں آنے دیں گے پیپلز پارٹی کی حکومت اگر نہ بنی تو یہی فوجی حکومت چلے گی۔ یہی مارشل لاء زون اے بی سی ڈی ملنسوں کو ٹرے کھانسی آئے تو چار ماہ میں نے ۱۱ ستمبر کو مزار قائد پر قائد کو خراج پیش کیا، تقریر کی اجازت نہیں تھی پاکستان کی آزادی کا کیا مطلب ہے، لاکھوں انسانوں نے قربانیاں دیں۔ عصمتوں پر حملے ہوئے مہاجروں کا قافلہ... میل لمبا تھا، یہ سب قربانیاں کس لیے تھیں اس لئے کہ یہاں ایک منصفانہ نظام ہو گا۔ اسلام کے اصولوں پہ غریبوں کا پاکستان بنے گا۔ جہاں آزادی حاصل ہو گی اقتصادی آزادی، استحصال سے آزادی، پیپلز پارٹی کا بھی یہی موقف ہے، پنجاب میں بھی ہمارے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں آپ خود اخباروں میں بھی دیکھ سکتے ہیں، مختار رانا میرے خلاف کیسے ہو سکتا ہے وہ تو میرا بھائی ہے وہ غریب نیا سیاست دان ہے،

وہ واقف نہیں ہے سرمایہ داروں کی سازشوں سے پیپلز پارٹی عوام سے کبھی غداری نہیں کرے گی میں تو اس دن کی نسبت موت کو پسند کروں گا، جس دن میں عوام سے غداری کروں گا۔ میں کونسی چیز ہوں۔ جو اقتدار سے پہلے اپنے منشور پر عملدرآمد کر سکوں۔ جب ماؤزے تنگ جیسی عظیم شخصیت اقتدار سے پہلے منشور پر عملدرآمد نہ کر سکی۔ ہمیں خیرات کے اڈے تو نہیں بنانے ہیں یہ سازشیں ہیں سرمایہ داروں کی سرکاری ملازموں اور سرمایہ داروں کے پٹھوؤں کی۔

یہ کراچی کا انگریزی اخبار ہے کسی سرمایہ دار کا جس میں لکھا ہے کہ سردار اکبر بگتی کے کھانے کے بعد میں نے کہا کہ میں نے کوئی سیاسی معاہدہ نہیں کیا۔ کون اخباری نمائندہ مجھ سے ملا، میری ائیرپورٹ کے بعد کسی اخباری نمائندوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں زبردست احتجاج کرتا ہوں، میرے ساتھ یہ سلوک کئی برس سے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے غریب عوام پہلے ہی الجھن میں

پیپلز پارٹی کی
حکومت نہ
بنی تو فوجی
حکومت ہی چلے گی

ہیں۔ انہیں اور الجھن میں نہ ڈالو۔ میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ میں کہوں گا، جو چاہوں گا۔ آپ نے تین سال سے میرے ساتھ اس قسم کا ظلم کیا ہے، پنجاب سندھ، بلوچستان مشرقی پاکستان ہر جگہ میرے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ جب بحران ختم ہو جائے گا، تو تاریخ فیصلہ کرے گی کہ ہم نے کوئی ایسا قدم مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف نہیں اٹھایا۔ وقت بتلائے گا کہ ہم نے کتنی کوشش کی کیا ہم جمہوریت نہیں چاہتے تھے ہم نے تو الیکشن جیتی تھی ہم جانتے تھے کہ اگر ہم ناکام رہے تو مارشل لاء جاری رہے گا۔ ہم چاہتے تھے کہ تشدد ختم ہو، کچھ لینے دینے کے ساتھ عوامی حکومت

حکومت آئے ہمارے خلاف پروپیگنڈہ بہت ہوا ہے آخر پیپلز پارٹی نے کونسا گناہ کیا ہے ہم نے عوامی لیگ کو تار بھیجا، انہوں نے کہا کہ ہم تار کو تسلیم نہیں کرتے ہم جنوری میں گئے، ہم نے بات چیت کی اور کہا کہ ہمیں دوسرے لوگوں سے بات چیت کے لئے ایک مہینہ چاہیئے، لیکن انہوں نے کہا کہ صرف چھ نکات اور کچھ نہیں ۲۹ ستمبر کو مشرقی پاکستان کے بارے میں میں ایک کتاب شائع کر رہا ہوں جو جون میں لکھی تھی اس کے بعد بھی اہم واقعات رونما ہوئے ہیں ۱۹ اگست کو روس بھارت معاہدہ ہوا، وائٹ پیپر شائع ہوا۔ ان پر میں کچھ کہتا تو بات ختم نہ ہوتی۔ میرا اپنا جو نقطۂ نظر ہے میں اس میں پیش کروں گا، اس کا ترجمہ اردو، سندھی اور بنگالی میں بھی ہو گا۔ ہاں میں یہاں بھی بتاؤں کہ سرحد میں ہمارے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے مل جاؤ، اکٹھے ہو جاؤ، ہم مقابلہ کریں گے۔ ہمیں تو مزا آتا ہے مقابلہ کرنے میں۔ مزار قائد پر میں نے کہا تھا کہ اور میرے قائد! پاکستان کیا اس مقصد کے لئے بنایا تھا کہ ۱۳ برس تک فوج رہے آپ نے پاکستان کے بارے میں کیا سوچا تھا۔ اب میرا فرض نہیں ہے تو کس کا فرض ہے اگر اور کسی میں جرأت ہے تو آؤ۔ کان میں کہتے ہیں "بڑے تنگ آ گئے ہیں فوجی حکومت سے، جانے کب جائے گی"۔ شکست خوردہ لوگو، تم کون ہو مشورہ دینے والے لاہور میں بیٹھ کر۔ میں مشورہ کروں گا تو عوام سے کروں گا۔ کہتے ہیں آپ جمہوری طریقے سے اسے حاصل کریں۔ ہم نے تو شروع سے جمہوری طریقے سے کوشش کی، ایک انقلاب کا طریقہ تھا، ایک انتخاب کا، ہم نے ایوب کے خلاف انقلابی تحریک چلائی کامیاب ہوئے انتخابات لڑے کامیاب ہوئے مگر غریب پہ در! اقتدار عوام کو پھر بھی نہ ملا ہم بڑی شرافت سے اقتدار مانگ رہے تھے وہ کہتے ہیں ہم بیٹھے ہیں کون اٹھا سکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ جمہوری طریقے سے معاملہ ہو جائے۔ ہم نے مارچ سے ستمبر تک صرف مذاکرات کئے ہیں اب نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ خزانے میں کچھ نہیں رہا۔ بین الاقوامی طور پر ہمارا نام ختم ہو گیا۔ دنیا میں حکومتوں کا رواج ہے کہ چھوٹا سا فیصلہ ہو تو وہ بھی پارلیمینٹ میں لے جاتے ہیں

امریکہ جرمنی فرانس جرمنی میں حال ہی میں ایک نوجوان نے جرمنی کے منتخب چانسلر جو وزیراعظم کے برابر ہوتا ہے اس کے چانٹا مار دیا یہ چانسلر تھا منتخب چانسلر اس لئے عزت کے قابل ہے۔ چانٹا مارنے والے کو سزا ملنی چاہیئے تھی لیکن یہ منتخب چانسلر تھا عوام نے اسے منتخب کیا تھا اس لئے اس نے عوام کا احترام کیا معاف کر دیا۔ یہاں اس ہی کے خلاف کچھ کہہ جانے تو ڈنڈا چل جاتا ہے تمام بڑے ملکوں میں پارلیمنٹ کا احترام کیا جاتا ہے سیاست میں نہ صرف صحیح فیصلہ بلکہ پارلیمنٹ میں بتانا پڑتا ہے کہ فیصلہ کیسے کیوں کیا گیا۔ یہاں تو ریڈیو فیصلے سناتا ہے ایک خبر دوسری خبر ٹھکا ٹھک آتی رہتی ہے۔ ہمیں بتاؤ تو سہی آگاہ کرو ہم حکومت میں دخل

نہیں دینگے لاحول ولاقوۃ کچھ بتاؤ تو سہی قوم چکر میں پڑی رہتی ہے سیکرٹری اطلاعات چار لائنیں انگریزی میں نہیں لکھ سکتے کیسے چلے گی وزارت اطلاعات، کہتے ہیں کیوں پوچھتے ہو ہم تو نیک نیتی سے پوچھ رہے ہیں۔ ایک نشست کے ساتھ والا کیوں پوچھتا ہے اور اس کی بات بھی مان لی جاتی ہے پوچھنا ہر ایک شہری کا حق ہے۔ میں کہتا ہوں چلو اکثریت کو گولی مار دو۔ اس چپلی کباب کو حکومت دے دو بھٹو تو خادم ہے غلام ہے عوام کا، میں تو معمولی انسان ہوں ہماری جدوجہد جاری ہے اسمبلی کے اندر بھی اسمبلی کے باہر بھی۔ اسمبلی کے باہر زیادہ جاری ہے اندر ۳۰۰ بیٹھے ہیں تو باہر ۱۲ کروڑ ہیں۔ اگر نمائندے غلط بات کریں گے تو ہم سب سے انتقام لے سکتے ہیں میرا ایک پاؤں اندر ہے اور ایک پاؤں باہر ہے ہم آپ کو نہیں چھوڑ سکتے یہ پیار بازی نہیں ہے وقت آئے گا تو میں مقابلہ نہیں کروں گا انصاف مقابلہ کرے گا۔ وقت کا تقاضا مقابلہ کرے گا۔ عوام کے ساتھ جو ظلم ہو رہا ہے وہ مقابلہ کرے گا۔ یہ بہادروں کی قوم ہے چوہوں کی قوم نہیں ہے اس میں اپنے مطالبوں اور حقوق کے لئے استحصال کے خلاف مقابلہ کرنے کی اہلیت ہے میں جانتا ہوں دیکھو لاہور میں کیا ہوا العقوب مسیح کے واقعہ وہ میرا ورکر تھا۔ میں اس علاقے سے منتخب ہوا ہوں مت پوچھو میرے دل پر کیا بیتی لوگ سب کالا کہتے تھے کالا وہ نہیں تھا کالے وہ ہیں جو دستور لکھ رہے ہیں کیا حشر ہوا اس پولیس اسٹیشن کا، ہمیں آزمائش میں نہ ڈالو ہم نے تو کال بھی نہیں دی تھی یہ نہ کہو کہ ہم اس طاقت کو بھی ختم کر دیں گے پیپلز پارٹی کی طاقت پاکستان کی طاقت ہے جس سے بھارت بھی ڈرتا ہے میں پوچھتا ہوں کیا یہاں لاشیں رہ جائیں گی جو ملک کی خدمت کریں گی کون سے انجکشن لگاؤ گے نصراللہ خاں کو جس سے وہ حرکت میں آئے گا ہمیں احترام ہے صدر یحیٰی کے وعدوں کا وہ کہتے ہیں کہ ہم جمہوریت دیں گے، ہمیں یقین ہے کہ اس سال کے آخر تک اسمبلی آ جائے گی نیا سال جمہوریت کا دور ہونا چاہیئے اگر نہ ہوا تو ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا ایک برس انتظار کیا ہے الیکشن کے بعد مسائل الجھتے جا رہے ہیں غیور بلوچو، غیور پاکستانیوں بھٹو ایر کنڈیشنڈ جیل میں نہیں جائے گا میں باہر ہوں گا پہلی گولی کھاؤں گا ہم پاکستان کو تقسیم کرنے کے لئے اور علیحدگی کے لئے نہیں لڑ رہے ہیں ہمیں مجبور کیا گیا تو ہم خالی ہاتھ لڑیں گے پسیح ہمارا ساتھ دے گا صداقت ہمارا ساتھ دے گی، حق ہمارے ساتھ دے گا یہ جدوجہد جائز جدوجہد ہے جائز جدوجہد کو طاقت نہیں کچل سکتی۔ طاقت سے صرف ناجائز جدوجہد کو کچلا جا سکتا ہے غریبوں کے بچو قائداعظم کا پاکستان جمہوریت کے لئے بنا تھا میں خبردار کرتا ہوں کہ اگر جنوری میں اقتدار منتقل نہ ہوا اور مارچ اپریل تک بات چلی گئی تو بھول جاؤ جمہوریت کو، جمہوریت کبھی نہیں آئے گی پھر پاکستان کو اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے بارشیں شروع ہو گئیں اور اب کے بجٹ عوامی حکومت نے نہ بنایا تو جمہوریت ختم، پھر یا غلاموں کی طرح لیٹ جاؤ۔ نہیں تو کہو کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

خبردار اے نوجوانو مزدوروں اور مزدوروں کے بچو! کسانوں اور کسانوں کے بچو! تم پر کافی ظلم ہو چکا ہے آپ فیصلہ کر چکے کہ حکومت کس نے کرنی ہے ڈٹے رہو کل تمہاری ہے آپ کو زنجیریں توڑنی ہیں آپ کی تکلیفیں دور نہ ہو سکیں تو کم از کم آپ کے بچوں کے بیٹوں کی تکلیفیں تو دور ہو جائیں گی بھٹو صاحب نے یہ تقریر ختم کی تو کسانوں مزدوروں کے چہرے تمتما رہے تھے آنکھوں میں عزم کی چمک تھی۔

بھٹو صاحب نے رات کو آغا علی یحییٰ کے عشائیے میں شرکت کی جس میں پیپلز پارٹی کے مقامی رہنماؤں کے علاوہ عبدالصمد اچکزئی اور یحییٰ بختیار بھی شامل تھے۔ اگلی صبح بھٹو صاحب کراچی کے لئے تشریف لے آئے ہم وہاں ایک روز کے لئے مزید ٹھہرے۔

(باقی آئندہ)



مضمون نگار

کراچی

ریتی اور بجری کے ٹرکوں کے خلاف صدائے احتجاج

سید امیر حسین شاہ

ٹریفک کے حادثات کی خبریں آئے دن اخبارات کی زینت بنی رہتی ہیں۔ کوئی دن بھی ایسا نہیں گذرتا جب کسی گھر کا سہاگ نہ اجڑتا ہو۔ بوڑھے ماں باپ کی آنکھوں کی روشنی نہ چھین جاتی ہو۔ اور ننھے منے بچوں کا رکھوالا اور سرپرست انہیں بے سہارا چھوڑ نہ جاتا ہو حادثے کے ذمہ دار کو زیادہ سے زیادہ چند برسوں کی سزا ملتی ہے۔ لیکن یہ سزا کسی سے سہاگ آنکھوں کی روشنی کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔

ملیر ورسنو جانور روڈ دیہی علاقوں کو قومی شاہراہ سے ملاتی ہے۔ پھل اور سبزیاں اسی سڑک کے ذریعے شہر لائی جاتی ہیں، سڑک کے قرب وجوار میں کئی پرائمری اسکول اور شفاخانے ہیں کھیتوں میں کام کرنے والے مرد اور عورتیں اسی سڑک سے گذرتی ہیں۔ غرض کہ سڑک پر ٹریفک بہت زیادہ ہوتا ہے ضرورت تو اس بات کی تھی کہ حادثات سے بچنے کے لیے اس سڑک پر ٹرکوں کے چلنے پر پابندی لگادی جاتی، لیکن ہوا اس کے برعکس ریتی اور بجری سے لدے ٹرک اس سڑک سے گذرتے ہیں ایک دوسرے سے بازی جانے کے لئے ان کی رفتار خطرناک حد تک تیز ہوتی ہے۔ اس تیز رفتاری کی وجہ سے اس سڑک پہ کئی ہولناک حادثات رونما ہو چکے ہیں۔ جن میں مرد، عورتیں، بچے اور مویشی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اس سڑک پہ ٹریفک پولیس تیز رفتار ٹرکوں کا چالان بھی نہیں کرتی اور اس طرح قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی، انہیں کھلی چھٹی ہے کہ چند سکوں کے لئے عوام کی جانوں سے کھیلتے رہیں۔ ریتی اور بجری کے ٹرک ساری رات برق رفتاری سے اس سڑک پہ دوڑتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے قرب وجوار کے باشندوں کی رات کی نیند حرام ہو گئی ہے۔

ماضی میں یہاں کے عوام نے ریتی اور بجری کے ٹرکوں کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ اور انتظامیہ سے شکایت کی تھی۔ تو اس وقت کے ڈپٹی کمشنر مسٹر احمد صادق نے ملیر ورسنو جانور روڈ پہ ریتی اور بجری کے ٹرک چلانے پر پابندی لگادی تھی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد پھر ٹرک چلنے لگے۔ اب ان ٹرکوں کی برق رفتاری عوامی مسئلہ بن چکی ہے۔

کمشنر کراچی اور پولیس کے حکام کو چاہیئے کہ عوامی مفاد کے پیش نظر ملیر ورسنو جانور روڈ پر ریتی اور بجری کے ٹرک چلانے پر پابندی لگادے اور انہیں پرانا کمہار واڑا استعمال کرنے کی ہدایت کریں۔ مگر اس پابندی کا نفاذ پھلوں اور سبزیوں کے ٹرکوں پر نہیں ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے کسانوں کو بہت نقصان ہو گا۔

کنری پاک

نوکر شاہی نے اُن سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا

غازی مختار

۲۴ سال قبل جب مہاجر کنری پہنچے تو یہ چھوٹا سا قصبہ تھا۔ مہاجروں نے ہندوؤں کے متروکہ کھیتوں پر گھر اور جھونپڑیاں بنالیں اور یہ قصبہ ایک شہر میں تبدیل ہو گیا۔ یہاں پہ آباد لوگوں میں اکثر راجپوتانہ کے غریب مہاجر یا نکرانی ہیں، جنکی گذر بسر محنت مزدوری پر ہے یہی لوگ ہیں جن کے دم سے اس شہر کی رونق ہے پاکستان کی اس سب سے بڑی مرچ منڈی کے یہی مزدور ہیں اور یہی لوگ گلی گلی پھل و سبزی فروخت کرتے ہیں، دسمبر کے تخ بستہ مہینے میں رات گئے تک سردیوں میں ٹھٹھرتے اور جون جولائی کی تپتی دھوپ میں پسینے میں شرابور ڈھائی ڈھائی تین تین من وزنی بوریاں ڈھوتے ہیں۔ مرچ مارکیٹ میں آج کل روزانہ ہزاروں من مرچ آرہی ہے کوئی عام آدمی منڈی کی طرف سے گذرتا بھی نہیں ورنہ ہوا میں اڑنے والے مرچوں کے ذرات سارے بدن میں آگ لگادیں اور کھانس کھانس اور چھینک چھینک کر ادھ مرا ہو جائے مگر یہ مظلوم مزدور اس قیامت کی گرمی میں صبح پانچ بجے سے رات بارہ بجے تک اس دوزخ میں مشقت کرتے ہیں، کیونکہ انہیں اپنے اور اپنے بچوں کے پیٹ کی دوزخ ٹھنڈا کرنے کے لئے روکھی سوکھی روٹی چاہیئے جو اس مرچوں کی دوزخ سے کئی گناہ زیادہ تکلیف دہ ہے۔

کچے پکے مکانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور اسی تناسب سے غریبوں کی جھونپڑیوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ لوگ ۲۰ سال تک بڑے امن و آرام سے زندگی گذار رہے تھے مگر جب ایوبی آمریت اور نوازشات کا دور دورہ تھا۔ نوکر شاہی کے خونی پنجے ملک کے عوام کی شہ رگ میں دھنسے ہوئے تھے کراچی کے ایک اکرام الحق کو جو سنیٹرل گورنمنٹ کے کسی اہم عہدے پر قابض ہیں انہیں ۱۲۰ ایکڑ زمین اس شہر میں آباد غریبوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے الاٹ بلکہ عنایت کر دی گئی۔ کیونکہ پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے والے یہ محب وطن "جاہل" اسی قابل ہیں۔

اب دو چار سال سے وہ صاحب اس زمین پر آباد لوگوں سے اپنے منہ مانگی قیمت وصول کرنے کے چکر میں ہیں مزے کی بات یہ ہے کہ تقریباً ۱۰ ایکڑ زمین

پر صرف ٹاؤن کمیٹی اور اس کے ذیلی ادارے مثلاً ابن سینا ہسپتال، ہاجرہ میٹرنٹی ہوم و یٹرزی ہسپتال ان تینوں ہسپتالوں کے ڈاکٹروں کے کوارٹرز ھنگی کالونی اور دوسرے کوارٹرز سبزی مارکیٹ گوشت مارکیٹ شہر کو پانی سپلائی کرنے کے لئے دو بڑے تالاب ایک مچھلی پال تالاب اور ایک بہت بڑا پبلک پارک ڈی۔سی۔ ہائی اسکول اور ہاسٹل ہیں یہ سب عمارتیں ڈپٹی کمشنر کی منظوری سے یہاں تعمیر ہوئی ہیں ایک طرف حکومت نے اپنی منظوری سے اس رقبہ میں ادارے وغیرہ قائم کئے اور پھر اسی رقبہ کو کسی شخص کے نام الاٹ کر دیا۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ نوکرشاہی کو اس علاقہ میں آباد عوام کا تو خیال کرنا بھی نہیں چاہیے تھا مگر اپنے حکم سے دس ایکڑ میں بننے والے اداروں کو ہی دیکھ لیتے۔

صاحب موصوف ٹاؤن کمیٹی سے کئی دفعہ زمین کی قیمت ادا کرنے کا تقاضہ کر چکے ہیں اور ہماری معلومات کے مطابق قیمت بھی دو روپیہ فٹ مانگتے ہیں۔ جب کہ یہ زمین حکومت کے نرخ کے مطابق تین چار آنے فٹ قیمت کی ہے حیران ہیں کہ آخر ایک شہر جو ۲۴ برس سے آباد ہے ۶۴-۱۹۶۵ء میں آدھے سے زیادہ ایک گورنمنٹ ملازم کو کیسے عنایت کر دیا گیا جواب منہ مانگی قیمت لینا چاہتا ہے۔

اکرام الحق صاحب یقیناً ہندوستان میں اپنے بڑے شہر کے مالک نہیں ہوں گے۔ اور اگر وہ واقعی ہندوستان میں کسی شہر کے ۲۰ ایکڑ رقبہ کے مالک تھے تو یقیناً انہوں نے وہ رقبہ اس پر آباد لوگوں کو قیمتاً دے دیا ہوگا۔ اور اس قیمتاً دیئے گئے رقبہ کا اب وہ کسی طرح پاکستان میں بدل لینے کا حق نہیں رکھتے۔

ہماری خون آشام چمگادڑوں سے نہیں صدر مملکت گورنر سندھ اور عوام کا درد رکھنے والے حکام سے گذارش ہے کہ اکرام الحق سے یہ ۲۰ ایکڑ فوراً واپس لئے جائیں اور ان کا اگر کوئی کلیم ہے تو انہیں کہیں اور زرعی زمین الاٹ کی جائے اور اس رقبہ پر آباد عوام کو حکومت خود اپنے مقرر نرخوں پر یہ زمین دے





تبصرہ

یہاں قابلیت نہیں چلتی

سفارش لائیے

ولی محمد

قلات ڈویژن کے انٹرویو بورڈ برائے تحصیلدار و نائب تحصیلدار نے قابلیت کی بجائے سفارش و خویش پروری کو اپنا معیار بنا لیا ہے۔ مسلمہ قابلیت کے امیدواروں کو انٹرویو میں ہی فیل کر دینا یا انٹرویو میں منتخب کرکے بعد میں انہیں ناکام قرار دینا اس کا وطیرہ بن چکا ہے عوام کے نزدیک یہ بورڈ محض ایک ڈھونگ ہے جو عوام کو دھوکا اور فریب دینے کے لئے رچایا جاتا ہے اس لئے اکثر قابل افراد خواہش کے باوجود اس کے سامنے پیش نہیں ہوتے کیونکہ ان کے پاس سفارش نہیں ہوتی

اگست ۱۹۷۱ء میں نور محمد ولد میر محمد رحیم ہوت بی اے، جنہوں نے میٹرک سے لے کر بی اے تک ہمیشہ سیکنڈ ڈویژن حاصل کی۔ بشیر احمد ولد میر تاج محمد بی اے، جو بلوچی کے مشہور ادیب اور شاعر بھی

ہیں اور لیسین ولد رحیم بخش ایم اے انٹرویو بورڈ کے سامنے پیش ہوئے۔ انٹرویو کے بعد بورڈ کے اراکین نے ضلع کی انتظامیہ اور نجی طور پر تینوں امیدواروں کے کردار اور چال چلن کے بارے میں تحقیقات کیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ تینوں منتخب کر لئے گئے ہیں لیکن جب سرکاری طور پر نتیجہ کا اعلان کیا گیا۔ تو حیرانگی کی حد نہ رہی ان تینوں امیدواروں کے نام اس فہرست سے غائب تھے۔ جب کہ تھرڈ ڈویژن میں میٹرک اور انٹر پاس کرنے والوں کو کامیاب قرار دیا گیا تھا اس کے علاوہ انٹرویو بورڈ نے ضلع کچھی سے پانچ ضلع قلات سے چار، ضلع خاران سے تین ضلع لسبیلہ سے ایک اور ضلع مکران سے ایک امیدوار منتخب کر کے ضلع مکران کے باشندوں کی حق تلفی کی ہے۔ کیونکہ ضلع مکران قلات ڈویژن کے تمام اضلاع سے زیادہ بڑا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ضلع کچھی سے پانچ امیدوار اس لئے منتخب کئے گئے کہ انٹرویو بورڈ کے ایک رکن اس میں ذاتی دلچسپی رکھتے تھے بورڈ کے اس اقدام سے مکران میں اضطراب اور بے چینی پھیل رہی ہے گورنر بلوچستان اور حکام سے استدعا ہے کہ بورڈ کے اس انتخاب کو کالعدم قرار دے کر از سر نو انٹرویو کروائیں۔

ایبٹ آباد

پرنسپل صاحب طلبا کا فنڈ ہڑپ کئے جا رہے ہیں

شوکت زمان

گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے پرنسپل نے ہیڈ کلرک اور کالج انچارج سید مبارک شاہ کے گٹھ جوڑ سے بدعنوانیوں کا بازار گرم رکھا ہے۔ گذشتہ سال ان تینوں حضرات نے انجمن اتحاد طلبا کا فنڈ خرد برد کیا۔ تو اس پر طلبا نے زبردست احتجاج کیا، شہری انتظامیہ سے شکایت کی۔ لیکن کالج کی انتظامیہ بارسوخ تھی چنانچہ اس پر تو قانون نے گرفت نہ کی البتہ کئی طلبا کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس حمایت افزائی کی وجہ سے ان حضرات نے اس سال بھی بدعنوانیوں اور فنڈ کی خرد برد کا سلسلہ جاری رکھا۔ بارسوخ ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ اس مرتبہ کالج ڈسپنسری کے لئے چار ہزار روپے کی دوائیاں خریدی گئیں۔ لیکن بلوں میں ان کی مالیت ۹ ہزار روپے ظاہر کی گئی۔ اسی طرح کھیل کے سامان کی مالیت ۱۳ ہزار روپے کے لگ بھگ ظاہر کی گئی۔ حالانکہ اس کی حقیقی قیمت پانچ ہزار سے کسی طرح بھی زیادہ نہیں ہے اور یہ سامان بھی طلبا کو نہیں دیا گیا بے کار پڑا ہے۔ یوں قومی روپیہ ضائع کیا جا رہا ہے۔

اس سال کالج کے پرنسپل نے غریب طلبا کے وظیفہ کی مد میں تقریباً ۸ ہزار روپے کی ادائیگی ظاہر کی، ہیڈ کلرک اور سید مبارک شاہ کی ملی بھگت سے طلبا سے فی کس تین سو روپے وصولی کی رسید حاصل کی لیکن انہیں صرف ایک سو روپے ادا کئے گئے اور دو سو روپے فی کس خود ہضم کر لئے بعد میں ان طلبا کو بتایا گیا کہ انہیں غلطی طور پر وظیفہ دیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ روپے واپس کر دیں کچھ طلبا نے واپس کر دیئے لیکن بعض غریب طلبا واپس نہ کر سکے اور انہیں کالج چھوڑنا پڑا۔ کالج کی انتظامیہ ایسے طلبا سے رقم کی وصولی کے لئے دباؤ ڈال رہی ہے اور گرفتار کروانے کی دھمکیاں دے رہی ہے۔

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن ہزارہ کے صدر مسٹر فیض محمد اور صوبہ سرحد کے نائب صدر جناب محب اللہ بٹ نے محکمہ تعلیم، انتظامیہ اور مارشل لا حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ طلبا اور ان کے والدین کو پریشانیوں سے نجات دلانا اور ملک دشمن اور عوام دشمن کالج انتظامیہ کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے فوری اقدامات کریں۔

کوئٹہ

نوکر شاہی گھناؤنے کھیل میں مصروف ہے

ایم کے۔ بلوچ

خان محمود خان کی ریاست قلات میں تخت نشینی کے بعد سے حقیقی طور پر بلوچستان میں نوکر شاہی کی حکمرانی کا عہد شروع ہوتا ہے اس وقت سے کر آج تک نوکر شاہی بلوچستان میں بلاواسطہ طور پر حکمران چلی آ رہی ہے۔ خان قلات دیگر سرداران ان کے ہاتھوں میں کھلونے بنے عوامی استحصال میں دلال کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ خان قلات اور سرداران قبائل کو اس انداز میں اختیارات تفویض کئے گئے کہ وہ جب تک نوکر شاہی کے وفادار رہیں (جو عموماً رہتے ہیں) تو انہیں عوامی استحصال کی کھلی چھٹی ہے لیکن جونہی کسی موقع پر نوکر شاہی کو یہ احساس ہوا کہ خان قلات یا سرداران قبائل کی وفاداریاں مشکوک ہیں یا وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کر رہے ہیں تو انہی تفویض کردہ اختیارات کو بہانہ بنا کر ان کے خلاف استعمال کیا گیا۔ بعض اوقات انہیں سخت سے سخت سزائیں دی گئیں تاکہ کسی قبائلی سربراہ کو حکم عدولی کی جرأت نہ ہو سکے۔

جوں جوں بلوچستان میں سیاسی شعور ابھرتا گیا۔ عوام نوکر شاہی اور سربراہان قبائل سے متنفر ہوتے گئے۔ چنانچہ اس نفرت کا اظہار نوکر شاہی اور سربراہان قبائل کے خلاف کئی موقعوں پر کرتے رہے جس طرح عوام کا سیاسی شعور بیدار ہوا اسی طرح سربراہان قبائل نے اپنی استحصالی قوت کو برقرار رکھنے کے لئے نئے انداز اختیار کئے اس مقصد کے تحت کئی پڑھے لکھے سرداروں نے سیاست کا شغل اپنایا جس کی بدولت انہوں نے ان پڑھ سرداروں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ سودے بازی کی قوت حاصل کر لی اور اس سلسلہ میں نت نئے حربے دریافت کئے۔ لیکن دوسری طرف چونکہ تاج برطانیہ کی تربیت یافتہ نوکر شاہی سے واسطہ تھا۔ جو بلوچستان کے سیاسی اقتصادی آقا بننے کے خواب دیکھ رہی تھی اسے یہ

ابھرتے ہوئے سودے باز سردار ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ انہوں نے اندرونی طور پر جس سازش کا آغاز کیا تھا۔ وہ سکندر مرزا کے عہد میں قلات پر حملہ کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ اس کے بعد بلوچستان میں جس طرح ابن آدم کے خون کی ارزانی دیکھنے میں آئی شائد بلوچستان کی تاریخ اس کی کوئی مثال پیش نہ کر سکے۔ باخبرہ ۵۸ سے ۶۹ تک گیارہ سال کی طویل خون آشامی کے بعد معاہدہ لاہور کی رو سے سودے باز سرداروں اور نوکر شاہی کے درمیان خفیہ شرائط کی بنیاد پر صلح ہو گئی۔

۱۹۷۰ء میں ملک کے دوسرے صوبوں کے ساتھ ہی بلوچستان میں انتخابات ہوئے۔ سردار لوٹا کامیاب ہوا۔ انہوں نے غالباً اسی کامیابی کے گھمنڈ میں انتہائی جلد بازی سے کام لیا۔ اور غیر جماعتی سرداروں سے بات چیت کی تاکہ وہ صوبائی اسمبلی میں اکثریت کے بل بوتے پر حکومت قائم کر سکیں اس موقع پر شائد بلوچستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نوکر شاہی کو اپنے تمام منصوبے خاک میں ملتے نظر آئے اور اسے احساس ہوا کہ اگر "سردار" لوٹا برسر اقتدار آ گیا تو انہیں راستے کا کانٹا سمجھ کر ان کا وجود ہی ختم کر دے گا۔ نوکر شاہی کے طویل ظلم و تشدد کے پیش نظر "سردار" لوٹا کو کسی حد تک عوامی حمایت بھی حاصل ہوئی چنانچہ اس کا توڑ کرنے کے لئے نوکر شاہی نے اپنے سازشوں کے جال کا حلقہ مزید وسیع کر دیا۔ اور اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر میدان میں کود پڑی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اس نے سیف اللہ پراچہ کے ذریعہ نیپ سے گفت و شنید کا آغاز کیا لیکن جب نوکر شاہی کو احساس ہو گیا کہ ایسی گفت و شنید سے ان کی مطلب براری نہیں ہو سکے گی۔ تو انہوں نے پینترہ بدل کر گفت و شنید کی بجائے نیپ کے خلاف محاذ آرائی کی ٹھانی۔ چنانچہ جب پیپلز پارٹی نے بلوچستان میں متحدہ محاذ بنایا تو انہیں اس بنا پر کافی خوشی ہوئی کہ اب بلوچستان اسمبلی میں جب دونوں دھڑے برابر اکثریت کے دعویٰ دار ہیں اور کوئی بھی حکومت بھی بنانے کے قابل نہیں۔ یوں وہ بدستور راج سنگھاسن پر براجمان رہے گی۔ چونکہ پیپلز پارٹی کا واحد مقصد ملک میں جمہوریت کی بحالی ہے نہ کہ استحصالی قوتوں کے مفادات کا تحفظ۔ اسی مقصد کے پیش نظر پیپلز پارٹی کے اعلیٰ حلقوں نے نیپ اور جمعیت سے بات چیت شروع کی

اور کراچی میں نیپ کے رہنماؤں سے بات چیت کے بعد جب یہ طے پایا کہ پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس جب کوئٹہ میں ہو گا تو یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہ تھا کہ دیگر جماعتوں سے مفاہمت کے لئے بات چیت کا سلسلہ آگے بڑھے گا۔ چنانچہ جب نیپ اور پیپلز پارٹی کے قریب آنے کا امکان پیدا ہوتا نظر آنے لگا تو نوکر شاہی عنصر نے بھی اپنی جوابی کاروائیاں تیز کر دیں اور ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش شروع کی جو پیپلز پارٹی اور نیپ کے درمیان بات چیت میں رکاوٹ بن سکیں سب سے پہلے اکبر خان کے جیل سے ۷۸ افراد کی رہائی کا شوشہ چھوڑا حالانکہ اکبر خان کے قریبی حلقوں کی رو سے نواب اکبر خان معاہدہ لاہور کے تحت اپنے علاقے میں امن و امان اور انتظام کا ذمہ دار قرار پایا ہے اور کہ ان کے "نزدیک" یہ افراد ملزم تھے اس کے بعد جب ۲۳ ستمبر کو جناب بھٹو کوئٹہ پہنچا تھا ایک دن قبل یعنی ۲۲ ستمبر کو نوکر شاہی کی سرپرستی میں وڈیرہ میاں خان جو کہ نوکر شاہی کی وفاداریوں کے ضمن میں بڑی شہرت رکھتے ہیں) اور میوہ خاں سے ایک پریس کانفرنس کرائی گئی۔ تاکہ جناب بھٹو جب کوئٹہ پہنچیں تو انہیں "اکبری مظالم کی مبینہ داستانیں سنائی جا سکیں

لیکن جب یوں بھی کام بنتا دکھائی نہ دیا۔ تو انہوں نے جناب بھٹو کی کوئٹہ سے روانگی کے بعد اپنے خاص نمائندوں سے کام لیا۔ چنانچہ اسی دن "مشرق" میں اکبر خان کے نام سے منسوب جناب بھٹو کے خلاف ایک خود ساختہ بیان شائع کرایا گیا۔ مشرق کراچی میں اکبر خان کی پریس کانفرنس اور مشرق لاہور میں نمائندہ خصوصی سے بات چیت کا حوالہ دیا گیا۔ دلچسپ بات یہ دیکھنے میں آئی کہ مشرق لاہور میں شائع ہونے والی شہ سرخی سمیت خبر کوئٹہ کے روزنامہ نعرہ حق نے بھی من و عن شائع کر دی۔ ذوق و سرور میں شہ سرخی یا خبر کے متن میں تبدیلی کرنا بھی بھول گئے دوسری طرف نواب بگٹی نے اسی دن مشرق اور پاکستان ٹائمز میں چھپنے والی ان تمام خبروں کی سختی سے تردید کر دی۔

لیکن بایں ہمہ یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ بلوچستان میں جمہوریت کی بحالی کے لئے ہونے والی ان مثبت سرگرمیوں کو کس انداز میں آگے چلکر سبوتاژ کیا جائیگا چنانچہ عوامی حلقے اس امکان کو نظر انداز نہیں کرتے کہ صوبے میں ایسے منفی اقدامات کئے جائیں گے کہ ملک کے عوام دوست حلقوں کے لئے یہ ممکن ہی نہیں رہنے دیا جائے گا۔ کہ وہ کس کی حمایت میں کچھ کہہ سکیں۔

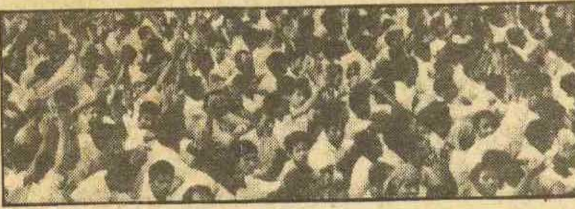
ڈیرہ غازی خان

جماعت اسلامی کا نمائندہ جاگیرداروں کا زیر دست چمچہ ہے

رئیس عدیم

مغربی پاکستان کی پچاسی فیصد آبادی دیہات و قصبات پر مشتمل ہے اگر پاکستان کی چوبیس سالہ زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ۸۵ فیصد آبادی کی معاشی بدحالی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ شہری آبادی جو درمیانہ طبقہ پر مشتمل ہے موجودہ حالات میں اپنے مستقبل سے نالاں ہے باقی پانچ فی صد جاگیر دار، سرمایہ دار پچانوے فی صد آبادی کا خون چوس چوس کر اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ ان کے استحصال کے خلاف عوام کا احتجاج کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مزدوروں کی چھانٹی، مزارعین کو بیدخل کیا جا رہا ہے ان میں سے اکثریت ان غریب دیہاتیوں کی ہے جنہوں نے عام انتخابات میں پہلی بار جاگیرداروں کے خلاف اپنے ووٹ کو استعمال کیا تھا۔ جاگیرداری نظام کی خصوصیات کے سبب یہاں کوئی صوبائی یا قومی اسمبلی کا عوامی نمائندہ منتخب نہیں ہو سکا پورے پنجاب میں یہ واحد ضلع ہے جس میں جماعت اسلامی کو قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی ایک ایک نشست نصیب ہوئی یہ بھی جاگیرداروں کی عنایات کا نتیجہ تھا۔ جماعت اسلامی قومی اسمبلی کے رکن کا نام گرامی ڈاکٹر نذیر احمد ہے انتخابات کے دوران ان کی جھوٹی شخصیت کا پرچار کیا گیا۔ موصوف درپردہ جاگیرداروں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے اور سٹیج پر آ کر عوام کی بات کرتے نہ تھکتے

باقی صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ کریں



قارئین کہتے ہیں

نوکر شاہی عوامی دور کی راہ میں حائل ہے

ہمارے حاکم پاکستان کو اسلامی ملک کہہ کر سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دے سکتے ہیں، مگر رشوت کے نظام کو نہیں چھپا سکتے۔

ہمارے عالم اسے قرآن کی سرزمین کہہ کر اپنی اسلام پسندی کا سکہ بٹھا سکتے ہیں مگر عصمت فروشی کے اڈے ان کا منہ چڑا رہے ہیں۔

ایک باشعور انسان جانتا ہے کہ آزاد ملک وہی ہوتا ہے جہاں قانون کی فرمانروائی ہو، قانون کی بالادستی ہو، قانون کا احترام ہو، کیونکہ قانون و انصاف ہی آزادی کی تمہید اور عوامی حکومت آزادی کی بہترین دلیل ہے رشوت کا نظام آزاد، خود مختار اور اسلامی حکومتوں کا نشان نہیں ہے۔ بلکہ رشوت کا نظام نوکر شاہی اور ظالم بے رحم لیٹرے طبقہ کا نظام ہے، جنہیں لوٹ مار، قتل و غارت گری کے سوا کچھ نہیں آتا جبکہ عوام مفلوک الحال ہوں، اور ملک نیلام ہو رہا ہو۔

رشوت ایک ایسا عذاب، ایک ایسی مہلک بیماری ہے جس کو لگ گئی وہ بے شعور رہا تو درندہ اور ڈاکو بن گیا۔ آج پاکستان پر بدعنوان، نوکر شاہی تسلط جمائے ہوئے ہے۔ جو مطلق العنان ہی نہیں، فرعون صفت ہے۔ جو ملک کو لوٹ رہی ہے۔ انسانیت کو پامال کر رہی ہے۔

مشرقی پاکستان کا المیہ نوکر شاہی کے کردار کا ایک بھیانک روپ ہے۔

اور اب نوکر شاہی عوامی اور قومی حکومت کی راہ میں حائل ہے وہ عوامی مسائل کو عوامی حکومت کے ذریعہ حل ہونے نہیں دینا چاہتی۔ سازشیں کر رہی ہے۔ ملک کو تباہ کر دینا چاہتی ہے مگر عوام، پریشان حال عوام، اس کی کسی سازش کو کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

محمد اسلم بٹ - اکبری منڈی - لاہور

بھارت کو کچل دو

ملک کے مغربی حصے میں یہ "جنگ جنگ" اور "بھارت کو کچل دو" کے نعروں میں جو اچانک سرگرمی آ چلی ہے۔ کہیں کسی منصوبے کے تحت تو پیدا نہیں کی جا رہی ہے، بھارت ہمارا دشمن ضرور ہے مگر کیا وہ ایسے وقت میں پاکستان سے کھل کر دو دو ہاتھ کرنے کو تیار ہو گا۔ جبکہ وہ نام نہاد بنگلہ دیش کے ذریعہ سیاسی مقاصد کے حصول میں کوشاں ہے اور عالمی رائے کو گمراہ کرنے کی کوششوں میں رات دن لگا ہوا ہے کیا چیئرمین بھٹو یہ کہنے میں حق بجانب نہیں ہیں کہ جنگ کا ہوا کھڑا کیا جا رہا ہے اگر جنگ ہمارے سروں پر منڈلا ہی رہی ہے تو اقتدار جلد از جلد عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے تاکہ بھارت سے بیک وقت سیاست اور جنگ کے میدان میں کھل کر ٹکر لی جائے، یہ کام منتخب عوامی حکومت بہتر طور پر انجام دے سکتی ہے۔

اس پر آپ بھی کچھ کہیئے نا—!

(طلعت آرا۔ پشاور)

آگ بونے والے انگارے کاٹتے ہیں

جماعت اسلامی راولپنڈی کے ایک سابق امیر نے ایک مقامی مسجد میں تقریر کے دوران انکشاف کیا کہ مشرقی پاکستان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔

مولانا تم نے بجا فرمایا! اس عذاب میں لاکھوں مشرقی پاکستانی ہلاک ہوئے، مگر آپ کے تو مزے آ گئے۔ ان کے لئے یہ عذاب ہو تو ہو آپ کے لئے تو رحمت ہے، ۷ اور ۱۷ دسمبر کے عام انتخابات میں پٹنے کے بعد بھی وزراء کی کونسل میں آپ کی پٹیچر تنظیم کے دو پٹے ہوئے مہرے وزیر بن گئے اس کا تصور کیا تھا، پہلے آپ نے؟

خوب بغلیں بجایئے اور جی بھر کر ان مصیبت زدہ عوام کی دکھ بھری زندگی کا مذاق اڑایئے۔ مگر ایک بات یاد رکھیئے آگ بونے والے انگارے کاٹتے ہیں۔ قدرت کے انصاف سے آپ اپنا دامن نہ بچا سکیں۔

(فرحت عزیز۔ ناظم آباد کراچی)

نیگرو۔ انقلابی راہ عمل پر

اٹیکا جیل کی لرزہ خیز تفصیلات پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سفید فام نسلی برتری کے جذبہ میں سرشار نیک و بد کی ہر تمیز، ہر فرق کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جیل کے اندر سیاہ فاموں کی مظلومیت کی داستان پڑھ کر یقین کیجئے بڑا دکھ ہوا، اندر باہر ہر جگہ ان کے لئے ایک جیسا ہے، ہر جگہ کانٹے ہیں، سخت اور کڑی دھوپ ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ بلیک پینتھر اور سیاہ فاموں کی دوسری انقلابی تنظیمیں اپنی آزادی کے لئے مسلح جدوجہد کا راستہ کیوں اپنا رہی ہیں۔

ایک بات تو طے ہو گئی کہ نیگرو عوام انقلاب کا تشدد آمیز عمل اختیار کئے بغیر آزادی اور خود مختاری حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے جائز جدوجہد کر رہے ہیں، بحیثیت پاکستانی میرا دل ان کے ساتھ ہے۔

(صفیہ اختر، عزیز آباد کراچی)

ابراہیم جلیس کہاں ہیں

ممتاز کالم نویس ابراہیم جلیس کا نام معاونین خصوصی میں آتا ہے مگر کئی ماہ سے ان کی ایک آدھ چیز بھی پڑھنے کو نہیں ملی۔ پریس سے پابندی بھی ہٹ گئی۔ نام نہاد اسلام پسندوں رجعت پسندوں اور سرمایہ داروں کے چمچوں کو ملیا میٹ بنانے کے لئے ایک بار پھر کمر کس کر میدان میں انہیں اترنا چاہیئے یہ کمی کی بات ہے ویسے آپ کا پرچہ، یعنی ہمارا الفتح عوام دشمن عناصر کے ٹھکانوں پر ٹھیک ٹھیک نشانہ لگانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ مودودی جماعت کی آنکھوں میں تو خار کی طرح کھٹکتا ہے مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

آپ لوگ "الفتح" کو بامقصد اور زیادہ دلچسپ بنانے کے سلسلے میں جو کاوشیں کر رہے ہیں، وہ قابل داد ہیں خدا اسے نظر بد سے بچائے۔ (ریحان احمد۔ لطیف آباد، حیدر آباد)

شیخ صاحب! اپنا دامن جھاڑیئے

ایوب لیگ کے سربراہ فضل القادر چوہدری، کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سول سروس پر اچانک برس پڑے اور کہا۔ "تم قوم کے خادم بن جاؤ۔ تمہیں زندگی کی بہترین آسائشیں حاصل"

ہیں فیکٹریاں، ملیں، ترقیاں اور زمینیں ملیں اب قوم کی خدمت کر رہے ہیں جناب فضل القادر چوہدری سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں حضور ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جواب دیں۔ ان سول سروس والوں کو خادم سے آقا کے منصب پر بٹھانے والے کون ہیں؟ کیا یہ دور ایوبی کا سیاہ کارنامہ نہیں جس میں نوکر شاہی کو مختار کل بنا دیا گیا۔ ان کے ہاتھ مضبوط کئے گئے، اور ان کے ذریعہ اہم فیصلے کرائے گئے، کیا آپ اور آپ کے سرپرست ایوب خان نے نوکر شاہی کے بدمست گھوڑے پر سواری نہیں کی۔ اور اگر یہ گھوڑا الف ہو گیا منہ زور ہو گیا تو اس کی سراسر ذمہ داری آپ کے آقا دلی نعمت پر عائد ہوتی ہے آخر آپ اس نوکر شاہی پر اچانک کیوں برس پڑے؟ خدانخواستہ کچھ ان بن ہو گئی۔ یہ تو آپ ہی جیسے لوگوں کا لگایا ہوا درخت ہے جو زہریلا پھل دے رہا ہے۔ کڑھتے کیوں ہیں؟

(انیس الرحمٰن، لائل پور)

بقیہ: ہنزہ سے چاٹگام تک

تھے۔ آج کل ڈاکٹر صاحب بھی جاگیرداروں کی طرح جیپ پر گھومتے دکھائی دیتے ہیں

خیر یہ تو ایک نام نہاد عوامی نمائندے کا حال ہے باقی تمام صوبائی و قومی اسمبلی کے ممبران وہی لوگ ہیں جو ماضی میں عوام کا استحصال کرتے آئے ہیں اور ہمیشہ انتخابات میں منتخب ہوتے ہیں سیاسی، ریاستی اقتدار ہمیشہ انہیں لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہے کیونکہ یہی لوگ ذرائع پیداوار یعنی ہزاروں ایکڑ اراضی کے مالک ہیں اس لئے انتظامیہ میں ان لوگوں کا غریبوں کے خلاف عمل دخل رہتا ہے خاص طور سے پولیس کے ذرائع سے دیہاتیوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے نوکر شاہی اور انتظامیہ ان لوگوں کے اشارے پر ناچتی ہے اب تو جاگیرداروں کی اولاد جاگیرداری نظام کے لئے ستون بنی ہوئی ہے۔ موجودہ معاشی بحران میں جو خود غرضی کی لہر دوڑی ہے اس سے دیہاتوں و قصبات میں چوریوں اور ہیراپھیریوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ضلع میں قتل کی وارداتوں میں کئی گناہ اضافہ ہوا ہے خاص طور سے چوٹی اور کوجیا میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے یہ دونوں علاقے ضلع کے سب بڑے جاگیردار لغاری اور مزاری کی آماجگاہ ہیں۔

ریلوے لائن پہنچنے کے باوجود ضلع ڈیرہ غازیخان میں ترقی کے آثار دکھائی نہیں دیتے ورنہ ڈیرہ غازیخان بھی خام مال کی فراہمی کی بنیاد پہ بھاری صنعتیں قائم ہو سکتی ہیں ضلع کے مغرب میں کوہ سلیمان کا سلسلہ ہے ماہرین نے پہاڑ کا سروے کرنے کے بعد اعلان کیا ہے کہ یہاں جپسم فولاد، و دیگر معدنیات بھاری مقدار میں موجود ہیں بعض مقامات پر فولاد کی ریت پچاس سے لے کر ساٹھ فی صد تک موجود ہے جو کالاباغ وغیرہ کی ریت سے بہتر ہے اس کا مقابلہ مغربی جرمنی کے خام مال سے کیا جا سکتا ہے ضلع میں کوئلہ کی کان نکل آئی ہے اور اس سے کوئلہ بھی برآمد کیا جا رہا ہے معدنیات کے علاوہ تحصیل راجن پور میں گنے کی پیداوار معقول ہے جس کے لئے ایک شوگر مل تحصیل راجن پور میں بنایا جا سکتا ہے یہاں کی کاٹن فیکٹریاں ہر سال ایک لاکھ کے لگ بھگ روئی کی گانٹھیں تیار کرتی ہیں ان گانٹھوں کے لئے ضلع بھر کی روئی استعمال کی جاتی ہے اس طرح شہر ڈیرہ غازی خان میں ایک ٹیکسٹائل مل قائم کی جا سکتی ہے جس سے خواندہ و غیر خواندہ افراد باروزگار ہو سکتے ہیں لیکن بھلا ہو ان جاگیرداروں کا جو ملوں کے پرمٹ ضلع ڈیرہ غازیخان کے نام پر حاصل کر لیتے ہیں اور دوسرے اضلاع کے ہاتھوں فروخت کر دیئے جاتے ہیں فولاد کی ریت کی بنیاد پہ یہاں سٹیل مل قائم ہو سکتا ہے لیکن معلوم ہوا ہے کہ یہاں کے سامراجی ایجنٹ سٹیل مل کی تعمیر کو سبوتاژ کر رہے ہیں کیونکہ ان سامراجی ایجنٹ سرمایہ داروں کے تجارتی رشتے سامراج سے بندھے ہوئے ہیں اور پاکستان میں سامراج کا تیار کردہ مال کھپایا جاتا ہے۔ اگر یہاں سٹیل مل قائم ہوتی ہے تو یقیناً پاکستان لوہے کے معاملہ میں اتنا خود کفیل ہوگا کہ ہوائی جہاز، ٹینک بھاری صنعتی و دیگر مشینریاں تیار ہو سکیں گی۔ ورنہ موجودہ صورت میں ہم گھڑیاں، ریڈیو حتیٰ کہ سوئی تک کے خام مال اور تیار مال کے لئے سامراج کے محتاج رہیں گے اور سامراج معاشی اور سیاسی مداخلت کرتا رہے گا امریکی سامراج نے ہمیشہ پاکستان میں لوہے کی صنعت کو سبوتاژ کیا۔ بلکہ کروڑوں روپیہ سروے کے بہانے ہضم کیا

اب ضلع ڈیرہ غازیخان کی صورت حال یہ ہے کہ مزارعین کی بیدخلیوں کا سلسلہ جاری ہے مزارعین کی جیبوں میں اتنا سرمایہ نہیں ہوتا جو انصاف طلب کر سکیں۔ یہاں کا جاگیردارانہ نظام صدیوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ یہاں کے مزارعین کی کیفیت ان زرعی غلاموں کی سی ہے جنہیں زمین فروخت کرنے کے ساتھ ہی فروخت کر دیا جاتا ہے نہری پانی پر بھی جاگیرداروں کا تسلط بدستور رہے ڈیرہ کنال کے جاگیردار اپنی مقدار کے مطابق پانی لینے کے بعد نوکر شاہی سے ملی بھگت کر کے نہر بند کروا دیتے ہیں جس سے چھوٹے چھوٹے زمینداروں کسانوں کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

رشوت کا بازار گرم ہے ہر محکمہ میں رشوت لی جاتی ہے لوگ بے چین ہیں اور ملک میں ایسی تبدیلی کے خواہاں ہیں جو اس نظام کو یکسر بدل کر رکھ دے

بقیہ: ضیا سرحدی

دیتے ہوئے مجھ کو یہ محسوس ہونے لگا۔ کہ افسانہ نگاری ہی کی طرح سے ہدایت کاری کے بھی ہزار نازک پہلو ہیں، اور اس ڈگر پر بھی لاتعداد تخلیقی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور ہدایت کا کام اسکرپٹ کی، محض میکانکی ترجمانی یا سیلولائڈ پر اس کی رسمی منتقلی نہیں ہے۔ بلکہ تخلیقی انداز سے اس کی مرئی نقاب کشائی ہے اپنے حاصل کردہ تجربے کا سہارا لے کر میں نے اگرچہ بڑی دیانتداری اور خلوص کے ساتھ قدم بڑھانے شروع تو کر دیئے تھے مگر اس وقت سے میں نے یہ جاننا بھی شروع کر دیا تھا کہ میں ہنوز ہدایتکاری کا بوجھ اٹھانے کے اہل نہیں ہوں۔ یہ خیال جو مخلصانہ طور پر میں نے اپنے حق میں قائم کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نانو بھائی ڈیسائی کی بتدریج بڑھتی ہوئی، ناجرانہ مداخلت اب دو اہم اور قابل غور وجیہہ تھیں کہ جن کو میں نے پوری طرح سے ناپا اور تولا اور پھر ایک دن، بہت سے ہمدردوں اور خاص کر زیب کی مخالفت کے باوجود میں نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ چند روز کی باہمی، رسمی اور تاجرانہ مصلحت آمیز گفتگو کے بعد بالآخر نانو بھائی نے میرا استعفیٰ قبول کر لیا اور معاہدے کو نذر آتش کر کے مجھ کو سروج کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی اجازت دیدی اور پھر زیب کی شبنم آلود آنکھوں کے منظر کو بڑی ہمت سے برداشت کرتے ہوئے، میں نے سروج موویٹون کی عمارت، اس کے جھلملاتے نگارخانوں اور ان ساتھیوں کو آخری سلام پیش کر دیا جن کے ساتھ میں نے اپنے کاروبار کے چند شام و سحر گذارے تھے

الفتح

ذوالفقار علی بھٹو کی تاریخی تصنیف

عظیم ایشیا

مکمل اردو متن بمع اخباری بیان



نے خصوصی ضمیمہ پیش کیا ہے جو ہاتھوں ہاتھ بک گیا ہے

قیمت:—— ۲ روپے

یہ ضمیمہ دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ترامیم، اضافوں
اور زیادہ خوبصورتی کے ساتھ

اپنے آرڈر فوراً بھیج دیجئے

ہفت روزہ "الفتح" ۸۰ ڈی نرسری کمرشل ایریا۔ کراچی

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
14—21, OCTOBER, 1971

"کامیاب دورہ"

